

نَفحاتِ رمضان

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی ڈاٹر کاہم

بانی و سرپرست الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم / بنگلور





نفحاتِ رمضان

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب الدرخان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و رہنما جامعہ الاسلامیہ مسیحیہ علوم ریسرچ سوسائٹی

دہلی، پاکستان۔ شاہ مہدی ریسرچ سوسائٹی، ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

مکتبہ مسیحیہ الامت لکھنؤ و بیگنور

محفوظہ
بمبوع حقوق



نام کتاب : نجاتِ رمضان

مصنف : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الخادمۃ الاسلامیہ مسیحیہ انجمن ریسرچ سوسائٹی
دہلی، نئی دہلی، شاہ معین ریسرچ سوسائٹی، انجمن ترقی و ترقی، ناظم مظاہر علوم و قضا، سہارنپور

صفحات : ۱۰۴

تاریخ طباعت : رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق اپریل ۲۰۱۶ء

ناشر : مکتبہ مسیح الامت ریسرچ سوسائٹی

موبائل نمبر : 9634307336 \ 9036701512

ای۔میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

الفہرست

صفحہ	عناوین
۷	نگاہِ اولین
۹	رمضان کی فضیلت
۱۳	رمضان کی خصوصیات
۱۳	اجر و ثواب میں زیادتی
۱۴	جنت کے دروازوں کا کھل جانا اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہو جانا
۱۴	شیاطین کا بند ہو جانا
۱۴	قرآن کا اسی ماہ میں نازل ہونا
۱۵	لیلۃ القدر کا آنا
۱۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رمضان
۲۱	فائدہ
۲۲	عشرہ اخیرہ کی فضیلت
۲۳	عشرہ اخیرہ کا ذکر قرآن میں

۲۵	رمضان کے مخصوص اعمال
۲۶	روزے کا بیان
۲۶	روزے کی فرضیت واہمیت
۲۷	روزے کی فضیلت
۳۰	روزے کی حقیقت اور قسمیں
۳۰	روزے کی پہلی قسم
۳۱	روزے کی دوسری قسم
۳۳	روزے کی تیسری قسم
۳۵	روزے کے احکام ومسائل
۳۵	روزہ کن لوگوں پر فرض ہے
۳۶	روزہ کب صحیح ہوگا
۳۷	نیت کے ضروری مسائل
۳۷	روزے کے فرائض
۳۸	روزے کی سنتیں اور مستحبات
۴۱	روزے کو توڑنے والی چیزیں
۴۲	پہلی قسم
۴۳	دوسری قسم
۴۴	جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے
۴۶	وہ چیزیں جو روزے میں مکروہ نہیں ہیں

۴۶	روزے کے چند جدید مسائل
۴۸	قضا و کفارے کے احکام
۵۰	فدیہ کے احکام
۵۲	نماز تراویح کا بیان
۵۲	نماز تراویح کی فضیلت
۵۶	تراویح کے احکام و مسائل
۵۸	تراویح کی بیس رکعت کا ثبوت
۶۴	آٹھ رکعت کی حدیث کا جواب
۶۷	اعتکاف کا بیان
۶۷	تمہید
۶۷	اعتکاف کی تعریف
۶۸	اعتکاف کی ضرورت
۶۹	اعتکاف کی حکمتیں
۷۰	ایک شبہ کا جواب
۷۰	اعتکاف کی فضیلت
۷۲	اعتکاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۷۳	اعتکاف اور صحابہ کرام <small>رضی اللہ عنہم</small>
۷۴	ایک شبہ کا جواب
۷۵	اعتکاف کی قسمیں

۷۶	اعتکاف کے احکام و مسائل
۷۸	اعتکاف میں ممنوع اعمال
۷۹	مکروہات اعتکاف
۸۰	تنبیہ
۸۱	تلاوت قرآن
۸۳	عبادات میں کثرت
۸۵	لیلة القدر کا بیان
۹۲	عید الفطر اور صدقہ فطر
۹۳	عید کے چند احکام و آداب
۹۵	انتباہ
۱۱۰	صدقہ فطر
۱۰۱	فوائد و مسائل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہ اولیں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد:

رمضان المبارک کا مہینہ، ہر سال اپنی تمام تر برکتوں، فضیلتوں، بڑائیوں اور بزرگیوں کے ساتھ ہم پر جلوہ فگن ہوتا اور پھر رخصت ہو جاتا ہے؛ مگر ہم جن برائیوں، غفلت اندیشیوں، نالائقیوں اور اندھیروں میں گھرے ہوئے، پڑے ہوئے ہوتے ہیں، ان سے ذرہ برابر نہیں نکلتے؛ بل کہ اور گھرتے چلے جاتے ہیں، آخر اس کی وجہ و علت؟ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ماہ رمضان آتا اور جاتا ہے؛ مگر ہم اس سے استفادہ کرنے اور فیض اٹھانے کی کوئی سعی و کوشش نہیں کرتے، جیسے سورج نکلے، روشنی پھیلے، دن نمودار ہو جائے اور کوئی بے وقوف آنکھ بند کیے بیٹھا رہے، تو اس بے وقوف کو ان عظیم الشان روشنی اور نور سے کوئی حصہ نہ ملے گا اور وہ جیسے رات کی اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا رہا تھا، اب بھی بھٹکتا پھرے گا، اب کون کہہ سکتا ہے کہ روشنی نمودار نہیں ہوئی؟ یا روشنی نے فائدہ نہ دیا؟ نہیں؛ بل کہ روشنی پھیلی، اس نے اپنی جلوہ نمائی سے سارے عالم کو منور کر دیا، ہر ایک نے اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق اس سے فیض بھی پایا، ہاں! جس نے نور دیکھنا ہی نہ چاہا، فیض پانا ہی گوارا نہ کیا، آنکھ کھولنے کی زحمت ہی نہ اٹھائی، وہ بلاشبہ محروم رہا اور رہے گا۔

یہی حال ہمارا ہے کہ رمضان کی مبارک ساعتیں ہم پر اپنا سایہ پھیلا دیتی ہیں، اس کے نور کی بدلیاں سارے عالم پر نور افشانی کرتی ہیں اور ذرہ ذرہ معمور اور اس

کے نشہ سے مخمور ہو جاتا ہے؛ مگر ہم اس نور کا مشاہدہ کرنے کے لیے آنکھ نہیں کھولتے، اس کے برکات و فضائل سے اخذ فیض کے لیے کبھی راغب نہیں ہوتے، کبھی یہ خیال تک نہیں آتا کہ رمضان جیسے عظیم البرکات مہینہ کا ہم استقبال کریں، اس کا احترام کریں، اس سے اپنے تعلق کا اظہار کریں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم جہاں تھے وہیں اور جیسے تھے ویسے ہی رہ جاتے ہیں، اور رمضان اپنا سایہ ہم پر سے اٹھالیتا ہے اور رخصت ہو جاتا ہے، یہ صورت حال کس قدر سنگین اور دردناک اور خطرناک ہے، یہ بالکل ظاہر ہے۔ الغرض ہماری غفلت حد کو پہنچ چکی ہے اور ہم نہایت نکمے ہو چکے ہیں، اس لیے اب ضرورت ہے اس کی کہ ہم ان غفلت کے پردوں کو جو ہم پر پڑے ہوئے ہیں، چاک کر ڈالیں اور بے عملی و بد عملی کی سیاہیوں کو دھو ڈالیں اور بیدار، متیقظ ہوشیار اور پاک و صاف ہو جائیں، گناہوں کی جہنم سے اپنے آپ کو آزاد کرائیں، نیکیوں اور اعمال صالحہ کے خزانوں کو جمع کر لیں اور ہر طرح کی محرومیوں سے نکل کر خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے لٹائی جانے والی رحمتوں و برکتوں سے خوب خوب فیض پائیں۔

زیر نظر رسالہ جس کا نام ”**نفحات رمضان**“ ہے، اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ رمضان میں ہم کو کیا کرنا ہوگا؟ رمضان کی برکتوں سے ہم کس طرح مستفیض ہو سکیں گے؟ اسی طرح اس میں ہم نے رمضان کے مخصوص اعمال سے بحث کی ہے اور ان کے احکام کو بہ قدر ضرورت وضاحت سے بیان کیا ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ قارئین و مستفیدین اس ناکارہ کو اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔

فقط

۲۹ رجب ۱۴۰۸ھ محمد شعیب اللہ خان
(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رمضان کی فضیلت

رمضان مبارک کی فضیلت پر ہم نہایت اختصار سے کلام کریں گے؛ کیوں کہ اس کے فضائل کے سلسلہ میں بہت سے رسائل شائع و عام ہو چکے ہیں، خصوصاً حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کا رسالہ ”فضائل اعمال“ نہایت مفید و موثر اور بہت مشہور ہے، اس کو دیکھ لیا جائے؛ کیوں کہ ہمارا مقصود رمضان کے مخصوص اعمال اور ان کے احکام بیان کرنا ہے۔

رمضان کی فضیلت بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے۔ چند یہ ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

« اذ ادخل شهر رمضان فتحت ابواب السماء وغلقت

ابواب جہنم وسلسلت الشیاطین. » (۱)

(جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے

ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔)

(۲) ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ حضرت رسول اللہ نے فرمایا:

« اذ اجاء رمضان فتحت ابواب الجنة. » (۲)

(جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔)

(۱) البخاری: ۱۷۶۶

(۲) البخاری: ۱۷۶۵/مسلم: ۱۷۹۳

(۳) حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ رمضان آچکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”رمضان کا مہینہ آ گیا ہے جو بڑی برکت والا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ تمہیں (اپنی رحمت سے) ڈھانپ لیتے ہیں، تم پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔ خطاؤں کو معاف کرتے اور دعاؤں کو قبول کرتے ہیں اور تمہارے تافس (ایک دوسرے سے نیکیوں میں آگے بڑھنے) کو دیکھتے ہیں اور ملائکہ پر فخر فرماتے ہیں، پس تم اللہ تعالیٰ کو نیکی دکھاؤ، بد نصیب وہ ہے جو اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے۔“ (۱)

(۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دن و رات میں (جہنم کے) قیدی آزاد کیے جاتے ہیں، یعنی رمضان میں اور ہر مسلمان کے حق میں ہر دن و رات میں ایک دعا ضرور قبول کی جاتی ہے۔“ (۲)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

» اتاكم شهر رمضان، شهر مبارك فرض الله عليكم صيامه تفتح فيه ابواب السماء وتعلق فيه ابواب الجحيم، وتغل فيه مردة الشياطين، لله فيه ليلة خير من الف شهر،

(۱) مسند الشاميين للطبراني: ۳/۲۷۱، الترغيب: ۲/۹۹

(۲) الترغيب: ۲/۱۰۳

من حرم خیرہا فقد حرم . « (۱)

(تمہارے پاس ماہ رمضان آچکا ہے، وہ ماہ مبارک جس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کیے ہیں، اس ماہ میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شریر شیاطین کو بیڑی ڈال دی جاتی ہے، اس ماہ میں ایک ایسی رات ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو اس کے خیر سے محروم کر دیا گیا وہ واقعی محروم ہو گیا۔)

ان چند احادیث سے رمضان مبارک کی فضیلتوں و بزرگیوں کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، پہلی اور دوسری حدیث میں رمضان مبارک کے احترام میں جنت و آسمان کے دروازوں کا کھول دیا جانا اور جہنم کے دروازوں کا بند کر دیا جانا مذکور ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس مہینہ میں اللہ کی رحمتوں کا بڑے وسیع پیمانے پر نزول ہوتا ہے، اور اللہ کا غضب نازل نہیں ہوتا، نیز پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ اس ماہ میں شیاطین کو بند کر دیا جاتا ہے، اس سے وہ شیاطین مراد ہیں جو لوگوں کو گم راہ کرتے اور بہکاتے ہیں۔

تیسری حدیث میں بھی رمضان کا بابرکت ہونا اور اس میں اللہ کی رحمتوں کا نازل ہونا اور دعاؤں کا قبول کیا جانا مذکور ہے، اور ساتھ ہی نیکیوں میں تنافس کا پسندیدہ ہونا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں میں فخر فرمانا بھی بیان ہوا ہے۔

تنافس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا

(۱) نسائی: ۲۱۰۶، مسند احمد: ۸۹۷۹، الترغیب: ۹۸/۲

کہ رمضان کی برکتوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو نیکیوں میں دل چسپی لیتا ہے، ورنہ وہ محروم ہی رہے گا، اسی لیے آخر میں فرمایا کہ وہ بڑا بد نصیب ہے جو اس ماہ میں بھی رحمت سے محروم ہو جائے۔

اور چوتھی حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے، ایک تو یہ کہ رمضان میں ہر دن و رات میں بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ مسلمان کی ایک نہ ایک دعا ضرور قبول کی جاتی ہے، یہ بھی رمضان کی برکت کا نتیجہ ہے۔

اور پانچویں حدیث میں ماہ رمضان کا مبارک ہونا اور اس میں روزوں کی فرضیت اور آسمانوں کے دروازوں کا کھول دیا جانا اور جہنم کے دروازوں کا بند کر دیا جانا اور شیاطین کا بیڑیوں میں جکڑ دینا جاندار کو ہے، نیز لیلۃ القدر کی فضیلت اور اس کا مقام بھی بتایا گیا ہے کہ وہ ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ جو اس کے خیر سے محروم رہ گیا وہ واقعی محروم رہ گیا۔

ماہ رمضان کی خصوصیات

ماہ رمضان مبارک بے شمار خصوصیتوں کا حامل ہے، اور یہ خصوصیات کسی اور ماہ کو حاصل نہیں ہیں، اسی لیے اس ماہ کو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« ما امر بالمسلمین شہر خیر منہ. » (۱)

(مسلمانوں پر کوئی مہینہ اس (رمضان) سے زیادہ بہتر نہیں گذرا۔)

الغرض ماہ رمضان بڑی خصوصیات کا مہینہ ہے، یہاں ان میں سے بعض کا ذکر

کیا جاتا ہے۔

اجر و ثواب میں زیادتی

رمضان میں اعمال کا ثواب، عام دنوں کے اعتبار سے بہت زیادہ عطا کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی لمبی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اس مہینہ میں نفل عبادت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا

چاہے، وہ اس شخص کے مانند جو اور دنوں میں فرض ادا کرے، اور جو اس

مہینہ میں ایک فرض ادا کرے وہ اس آدمی کے مثل ہوگا جو دوسرے

دنوں میں ستر (۷۰) فرض ادا کرے۔“ (۲)

(۱) صحیح ابن خزيمة: ۱۸۸/۳

(۲) صحیح ابن خزيمة: ۱۹۱/۳، شعب الایمان: ۳/۳۰۵، مسند الحارث: ۱/۲۱۲

جنت کے دروازوں کا کھل جانا اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہو جانا جیسا کہ اوپر احادیث گذر چکی ہیں کہ رمضان آتا ہے تو دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

شیاطین کا بند ہو جانا

حدیث میں ہے کہ رمضان میں شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔ اور اس سے مراد وہ شیاطین و جن ہیں جو لوگوں کو گم راہ کرتے اور بہکاتے ہیں، کیوں کہ ایک حدیث میں اس کی تصریح کی گئی ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۵۷ میں ہے، اس ماہ میں ان شریر جنات و شیاطین کو بند کر دیا جاتا ہے کہ وہ اب اس قابل نہیں رہتے کہ لوگوں کو گم راہ کر سکیں۔

اب رہا یہ سوال کہ بہت سے لوگ رمضان میں بھی گم راہ ہوتے یا کم راہ رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ یا تو نفس کے بہکانے کی وجہ سے ہے یا شیاطین کے ان اثرات کا نتیجہ ہے جو سال بھر لوگوں کے ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان میں پیوست ہو گئے تھے اور اب اثر انداز ہوتے ہیں۔

قرآن کا اسی ماہ میں نازل ہونا

رمضان مبارک کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسی مہینہ کو اللہ نے قرآن پاک کے نازل کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔

چنانچہ خود قرآن میں اس کا ذکر ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البَقَرَةُ: ۱۸۵)

(رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔)

لیلۃ القدر کا آنا

ایک خصوصیت رمضان کی یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر جو ہزاروں مہینوں سے افضل ہے وہ اسی مہینہ میں آتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس مہینہ میں ایک رات آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے“۔ (۱)

(۱) نسائی: ۲۱۰۶، مسند احمد: ۷۱۴۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رمضان

اب ہم رمضان مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات اور جدوجہد کا ذکر کرتے ہیں؛ تاکہ ان حضرات کے اسوہ پر چلنے کی رغبت پیدا ہو۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهُ حَتَّى يَنْسَلِخَ. » (۱)

(جب رمضان داخل ہو جاتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازار کو

سخت باندھتے، پھر جب تک رمضان گزر نہ جاتا آپ بستر پر نہ آتے تھے۔)

فائدہ: ازار کو سخت باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اطمینان سے

عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے، یہ عبادات میں جدوجہد کرنے سے کنایہ ہے

اور بعض علما نے فرمایا کہ یہ عورتوں (ازواج مطہرات) سے علیحدہ رہنے سے کنایہ

ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ایک وقت اس سے دونوں باتیں مراد ہوں۔ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کا پورا مہینہ

عبادت میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں:

(۱) صحیح ابن خزیمہ: ۳/۳۲۲، شعب الایمان: ۳/۳۱۰، و اسنادہ حسن کما فی

اعلاء السنن: ۲/۲۱

(۲) شرح مسلم للنوی: ۱/۳۷۲، فتح الباری: ۳/۲۶۹، نیل الاوطار: ۳/۳۶۲

« إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَ ابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَ اَشْفَقَ مِنْهُ. » (۱)

(جب رمضان آتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا اور آپ کی نماز زیادہ ہو جاتی اور آپ دعا میں گڑگڑاتے اور رمضان کی حرص کرتے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں آپ کثرت کے ساتھ نماز پڑھتے اور دعائیں کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ نماز سے یہاں نفل نماز ہی مراد ہے؛ کیوں کہ فرائض و واجبات تو مقرر ہیں، ان میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی اور رنگ بدل جانے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ کثرت عبادات کی وجہ سے اور پے در پے روزوں کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا، جیسا کہ عام طور پر مجاہدہ و ریاضت کرنے سے ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ یہ حالت بدل جانے سے کتنا یہ ہے، مطلب یہ ہے کہ عام دنوں کی حالت سے رمضان میں آپ کی حالت دوسری ہوتی کہ عام دنوں میں اتنی کثرت سے نمازیں اور دعائیں نہ ہوتیں، جیسے رمضان میں ہوتیں، ہمارے محاورے میں بھی بولتے ہیں کہ فلاں کا رنگ ہی بدل دیا گیا، یعنی حالت بدل گئی اور حرص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں نیکیوں کی حرص کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں:

« كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَ أَحْيَا لَيْلَهُ وَ أَيَقِظُ أَهْلَهُ. » (۲)

(۱) شعب الایمان: ۳/۳۱۰

(۲) البخاری: ۱۸۸۴، واللفظ له، مسلم: ۲۰۰۸، نسائی: ۱۶۲۱، ابو داؤد: ۱۱۶۸، ابن

ماجد: ۱۷۵۸، مسند احمد: ۲۳۰۰۱، صحیح ابن حبان: ۲/۲۵

جب (رمضان کا آخری) عشرہ آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازار سخت باندھتے اور راتوں کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگا دیتے۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں:

« كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهَا. » (۱)

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرہ میں اتنی جدوجہد (عبادت میں)

کرتے تھے کہ دوسرے دنوں میں اتنی نہیں کرتے تھے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ خاص طور پر آخری عشرہ میں بڑا مجاہدہ فرمایا کرتے تھے؛ حتیٰ کہ اپنے اہل خانہ کو بھی عبادت کے لیے جگا دیا کرتے تھے۔

(۵) حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَقِيَ مِنْ رَمَضَانَ

عَشْرَةً أَيَّامٍ يَدْعُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِهِ يُطِيقُ الْقِيَامَ إِلَّا أَقَامَهُ. » (۲)

(جب رمضان کے دس دن باقی رہ جاتے تھے تو آپ اپنے گھر

والوں میں سے کسی ایسے شخص کو اٹھائے بغیر نہ چھوڑتے جو اٹھنے کی

طاقت رکھتا۔)

(۱) مسلم: ۲۰۰۹، ترمذی: ۲۶۰۷، ابن ماجہ: ۱۷۵۷، احمد: ۲۳۷۶۶، ابن خزیمہ: ۳/۳۲۲

(۲) ذکرہ الحافظ عن الترمذی فی الفتح: ۲/۲۶۹، وکذا ذکرہ الشوکانی فی

النیل و المبارکبوری فی تحفة الاحوذی، ولکنی لم أجدہ فیہ ولا فیما عندی

من کتب الحدیث۔

(۶) حضرت عائشہ، ابن عمر و ابوسعید خدری، انس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور یہ سلسلہ وفات تک جاری تھا۔ (۱)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ

الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.» (۲)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اپنے گھر

والوں کو جگا دیا کرتے تھے۔)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات سے زیادہ رمضان میں سخی ہو جاتے تھے، جب جبرئیل عَلَیْهِ السَّلَامُ آپ سے ملتے تھے، اور جبرئیل عَلَیْهِ السَّلَامُ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملتے تھے، یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قرآن سنایا کرتے تھے۔ غرض جب جبرئیل عَلَیْهِ السَّلَامُ آپ سے ملتے تھے تو آپ تیز ہوا سے بھی زیادہ نیکی میں سخی ہو جاتے تھے۔ (۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ رمضان میں سخاوت و خیرات بہت زیادہ کرتے تھے، دوسرے یہ کہ آپ رمضان میں قرآن پاک کے سنانے میں اہتمام فرماتے تھے،

(۱) البخاری: ۱۸۸۵-۱۸۸۷، مسلم: ۲۹۹۲، ترمذی: ۷۲۰، ابن خزیمہ: ۳۲۶/۳، ابن حبان: ۲۲۲/۸

(۲) ترمذی: ۷۲۵، مسند بزار: ۳۰۰/۲، مسند احمد: ۴۲

(۳) بخاری: ۱۷۶۹، مسلم: ۲۲۶۸، نسائی: ۲۰۶۸، احمد: ۳۲۵۰، ابن خزیمہ:

۱۹۳/۳، ابن حبان: ۲۲۵/۸

بعض روایات میں ہے کہ آپ ہر سال رمضان میں حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام کو قرآن کا وہ حصہ جو نازل ہو چکا ہوتا سنایا کرتے تھے اور آخری سال آپ نے دو مرتبہ قرآن سنایا۔ (۱)

(۹) ثعلبہ بن ابی مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رمضان کی رات میں رسول اللہ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ باہر نکلے تو آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ نے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ایک نے عرض کیا کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس قرآن نہیں ہے، یعنی حفظ یاد نہیں ہے اور ابی ابن کعب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ پڑھتے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا کیا، ٹھیک کیا۔ (۲)

(۱۰) حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رات کے دریانی حصہ میں باہر نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ چند لوگوں نے بھی نماز پڑھی، صبح لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا اور دوسری رات اس سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے، آپ نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح اس کا چرچا ہوا، تو تیسری رات بہت لوگ جمع ہو گئے، آپ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس رات بھی نماز پڑھائی اور لوگوں نے نماز پڑھی اور چوتھی رات اس قدر جمع ہو گیا کہ مسجد میں گنجائش نہ رہی؛ مگر آپ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس رات نہیں آئے اور فجر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور نماز کے بعد فرمایا کہ میں تم لوگوں کے یہاں موجود

(۱) مسند عبد بن حمید: ۱/۲۱۷، شعب الایمان: ۲/۴۱۴

(۲) ابوداؤد: ۵/۱۱۶۹، ابن خزیمہ: ۳/۳۳۹، ابن حبان: ۲۸۲/۲، سنن بیہقی: ۲/۴۹۵

ہونے سے بے خبر نہیں تھا؛ مگر مجھے خوف و اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو۔ (۱)

(۱۱) حضرت ربیع بنت معوذہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم خود روزہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں کو روزہ رکھاتے تھے اور روئی کے کھلونے بنا کر رکھتے، کہ جب وہ روتے تو وہی کھلونے ان کو دے دیتے تھے۔ (۲)

فائدہ: حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کی یہ بات اگرچہ عاشوراء کے روزے کے بارے میں آئی ہے اور یہ عاشوراء کا روزہ، رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل فرض تھا، جب عاشوراء کے فرض روزے کا اس قدر اہتمام ان حضرات میں تھا کہ وہ بچوں کو تک روزہ رکھواتے تھے تو اندازہ کرنا چاہئے کہ رمضان کے روزوں کا کیا حال ہوتا ہوگا اور اس کا کس قدر اہتمام کرتے ہوں گے؟

(۱۲) ایک شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ اس نے رمضان میں شراب پی لیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیری خرابی ہو، ہمارے بچے تک روزہ دار ہیں اور اس پر حد (سزا) جاری کیا اور اسی کوڑے لگوائے۔ (۳)

یہ چند روایتیں ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رمضان میں معلوم ہوتا ہے۔

(۱) البخاری: ۱۸۷۳، مسلم: ۲۱۷۱، نسائی: ۱۵۸۶، ابو داؤد: ۱۱۶۶، احمد: ۲۳۱۹۴

(۲) البخاری: ۱۸۲۴، مسلم: ۱۹۱۹

(۳) بخاری تعلیقاً: وسعید بن منصور و البغوي موصولاً، كذا في فتح الباري: ۲۰۱/۴

عشرہ اخیرہ کی فضیلت

ایک طویل حدیث میں جس کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن خطبہ دیا، اور اس میں ایک بات یہ بھی فرمائی:

« وَهُوَ شَهْرٌ أَوْلُهُ رَحْمَةٌ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ

مِّنَ النَّارِ. » (۱)

(ماہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ رحمت، درمیانی حصہ

مغفرت، اور آخری حصہ آگ سے آزادی وہ خلاصی ہے۔)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کے تین حصے قرار دیے گئے ہیں: اول، اوسط اور آخر اور یہ دس دس ایام پر مشتمل ہوں گے، یا پہلا اور اوسط حصہ دس دس ایام کا اور آخری حصہ نو ایام کا ہوگا، پھر پہلے عشرے کو رحمت کا دوسرے کو مغفرت کا اور تیسرے کو یعنی آخری حصہ کو دوزخ سے خلاصی کا قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”آدمی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن پر گناہوں کا بوجھ

نہیں، ان کے لیے شروع ہی سے رحمت و انعام کی بارش ہو جاتی ہے،

(۱) أخرجه ابن خزيمة في صحيحه: ۱۹۱/۳، والبيهقي في شعب الایمان: ۳/۲۰۵،

عن سلمان الفارسي في حديث طويل

دوسرے وہ لوگ جو معمولی گناہ گار ہیں، ان کے لیے کچھ حصہ روزہ رکھنے کے بعد ان کے روزوں کی برکت اور بدلے میں گناہوں کی معافی ہوتی ہے، تیسرے وہ جو زیادہ گناہ گار ہیں ان کے لیے زیادہ حصہ روزہ رکھنے کے بعد آگ سے خلاصی ہوتی ہے۔ (۱)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مایہ ناز کتاب ”معارف الحدیث“ میں اسی شرح کو اختیار فرمایا ہے۔ (دیکھو معارف الحدیث: ۱۰۳/۵)

اس تشریح کے مطابق ثابت ہوا کہ رمضان کا آخری عشرہ بڑے سے بڑے گناہ گاروں کے لئے بھی مغفرت کا پیغام لے کر آتا ہے، اس میں رمضان کے آخری عشرہ کی کتنی بڑی فضیلت نکلتی ہے؟ جو لوگ اپنی سال بھر کی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں اگر وہ رمضان میں روزوں اور تراویح اور دیگر عبادات کے ذریعہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں، تو ان کو یہ بات ضرور حاصل ہوگی۔

بہر حال اس حدیث سے آخری عشرہ کی ایک اہم ترین فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ بد بخت سے بد بخت آدمی بھی اگر اس ماہ میں ان نیکیوں میں لگا رہے، تو اس کی بھی نجات ہو جاتی ہے۔

عشرہ آخرہ کا ذکر قرآن میں

اور اس عشرہ اخیرہ کی فضیلت کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ہوتا ہے، قرآن مجید

میں ہے:

﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ (الفجر: ۱-۲)
(قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی)

اس میں دس راتوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں علما کے متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد رمضان المبارک کے آخری دس دن ہیں۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد رمضان کے آخری دس دن ہیں اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے؛ بل کہ علامہ تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے کہ اس سے یہی دس (رمضان کے دس دن) مراد ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (۱)

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ضحاک سے اپنی تفسیر میں یہی نقل کیا ہے۔ (۲)

اس قول پر رمضان کے عشرہ اخیرہ کی فضیلت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان دس دنوں کی قسم کھائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کی قسم کھانا ان ایام کی فضیلت کی دلیل ہے۔

(۱) روح المعانی: ۱۳۷/۳۰

(۲) تفسیر قرطبی: ۳۹/۲۰

رمضان کے مخصوص اعمال

رمضان میں اگرچہ تمام نیکیاں اور ہر قسم کی عبادات کا اہتمام ہونا چاہئے اور ان اعمال و عبادات میں سے جن اعمال و عبادات کو رمضان مبارک کے ساتھ خصوصیت کا تعلق ہے ان کا اہتمام و التزام بھی خصوصی طریقے پر ہونا چاہئے اور وہ چار اعمال ہیں:

- (۱) صوم یعنی روزہ
- (۲) نماز تراویح
- (۳) آخری عشرہ کا اعتکاف
- (۴) تلاوت

لہذا تمام عبادات و اعمال صالحہ میں اضافہ اور ان کا اہتمام و التزام کرنا اور بالخصوص ان چار عبادات کا اہتمام کرنا رمضان کو صحیح طریقے پر گزارنے کے لیے ضروری ہے، اب ہم ان چار عبادات کا الگ سے ذکر کرتے ہیں۔

روزے کا بیان

روزے کی فرضیت واہمیت

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البَقَرَة: ۱۸۸)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے

پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔)

اس آیت سے روزے کی فرضیت واہمیت صاف ظاہر ہے، فرضیت تو اللہ کے

یہ فرمانے سے معلوم ہوئی کہ تم پر روزے لکھ دیئے گئے ہیں اور اہمیت کا پتہ اس طرح

چلا کہ روزے کی فرضیت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ اور

ظاہر ہے کہ تقویٰ ہی کی بنیاد پر انسان اللہ کے نزدیک مکرم و مقدس بنتا ہے، جیسا کہ

فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحَجْرَات: ۱۳)

(اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے

زیادہ متقی ہو۔)

اور جو چیز کہ انسان میں تقویٰ کی صفت پیدا کرنے والی ہو، وہ اس لحاظ سے کہ

تقویٰ کا سبب و باعث ہے کس قدر اہم ہے۔

نیز اس کی اہمیت کا اندازہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ اکثر حضرات کے نزدیک

صوم، اسلام کے ارکان میں سے زکاۃ کے بعد سب سے اہم عبادت ہے اور بعض علما کے نزدیک نماز کے بعد سب سے زیادہ اہم روزہ ہے اس کے بعد زکاۃ کا درجہ ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے اسی کے پیش نظر اپنی کتاب ”الجامع الصغیر“ اور ”الجامع الکبیر“ میں نماز کے بعد صوم کا بیان لکھا ہے۔ (۱)

روزے کی فضیلت

اس اہمیت کی وجہ سے روزے کی بڑی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من

ذنبه. ومن قام ليلة القدر ایمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من

ذنبه. » (۲)

(جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب سمجھ کر رمضان کے روزے رکھتا

ہے، اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اور جو لیلۃ القدر میں

ایمان کے ساتھ اور ثواب سمجھ کر عبادت کرتا ہے، اس کے بھی تمام گزشتہ

گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

« قال الله تعالى: كل عمل ابن آدم له الا الصيام، فانه

(۱) دیکھو فتح القدیر: ۱/۳۰۰، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ۱/۲۱۹، البحر

الرائق: ۲/۲۸۶

(۲) البخاری: ۱۷۶۸، مسلم: ۱۲۶۸، نسائی: ۲۱۸۳، ابوداؤد: ۱۱۶۵، احمد: ۱۹۰۰

لي وانا أجزى به. و الصيام جنة، و اذا كان يوم صوم احدكم
فلا يرفث ولا يصخب، فان سابه احد او قاتله فليقل انى امرا
صائم هو الذى نفس محمد بيده لخلوف فم الصائم اطيب
عند الله من ربح المسك، للصائم فرحتان يفرحهما، اذا
افطر فرح و اذالقى ربه فرح بصومه. »

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے
روزہ کے، کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، اور روزہ
(جہنم سے بچاؤ کے لیے) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کے روزہ
کادن ہو تو بے حیائی کی باتیں نہ کرے اور نہ چھیے، اگر کوئی اسے گالی
دے یا لڑائی کرے، تو کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں اور اس
ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے بلاشبہ روزہ دار کی منہ کی
بُو اللہ کے نزدیک مشک کی خوش بو سے زیادہ بہتر ہے، اور روزہ دار کو
دو فرحتیں ملتی ہیں: ایک اس وقت جب وہ افطار کرتا ہے، اور دوسرے
اس وقت جب وہ اللہ سے ملے گا تو وہ اپنے روزہ سے خوش ہوگا۔) (۱)
(۳) حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«ان فى الجنة بابا يقال له الريان، يدخل منه الصائمون
يوم القيامة، لا يدخل منه احد غيرهم، يقال اين الصائمون؟
فيقومون لا يدخل منه احد غيرهم، فاذا دخلوا اغلق، فلم
يدخل منه احد.» (۲)

(۱) البخاري: ۱۷۷۱، مسلم: ۱۹۴۷، نسائي: ۲۱۸۶، احمد: ۷۳۶۸

(۲) البخاري: ۱۷۶۳، مسلم: ۱۹۴۷

(جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام باب الریان ہے، اس سے قیامت کے دن روزے دار داخل ہوں گے، اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس سے داخل نہ ہوگا، کہا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہوں گے ان کے علاوہ کوئی اور اس سے داخل نہ ہو سکے گا، جب یہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا، پس کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔)

(۴) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے، روزے دار اسی سے بلائے جائیں گے، جو روزہ رکھنے والا ہوگا وہ اسی سے داخل ہوگا اور جو اس سے داخل ہوگا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ (۱)

(۴) حضرت ابوسعید خدری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

”جو اللہ کے راستہ میں روزہ رکھتا ہے اس کو دوزخ سے ستر برس کی مسافت کی مقدار دور رکھے گا۔“ (۲)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

« من صام رمضان و عرف حلوده و تحفظ مما كان ينبغي له ان يتحفظ فيه كفر ما قبله. » (۳)

(۱) ترمذی: ۶۹۶، نسائی: ۲۲۰۴، ابن ماجہ: ۱۶۳۰، احمد: ۲۱۷۷۵

(۲) البخاری: ۲۶۲۸، مسلم: ۱۹۴۸، نسائی: ۲۲۱۹، ترمذی: ۱۵۴۸، ابن ماجہ: ۱۷۰۷، احمد: ۱۷۷۸

(۳) مسند احمد: ۱۱۵۴۱، ابن حبان: ۲۱۹/۸

(جس نے رمضان کا روزہ رکھا اور اس کے حدود کو جانا، اور ان باتوں سے اپنے کو محفوظ رکھا جن سے بچنا مناسب ہے، تو یہ روزہ اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ بنا دیا جاتا ہے۔)

ان احادیث سے روزے کے فضائل معلوم ہوئے اور اس پر بڑے بڑے وعدوں کا علم ہوا، لہذا اس فضیلت سے کسی مسلمان کو محروم نہیں ہونا چاہئے۔
روزے کی حقیقت اور قسمیں

روزے کو عربی میں ”صوم“ کہا جاتا ہے، اور صوم کے معنی ”امساک“ (رک جانے) کے ہیں، اور شریعت میں صوم کی حقیقت یہ ہے کہ پورا دن کھانے، پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے سے رک جائے۔ (۱)
علمائے فرمایا ہے کہ روزے کی تین قسمیں ہیں: ایک عوام الناس کا روزہ، دوسرے خواص کا روزہ اور تیسرے انحصار الخواص کا روزہ۔

(۱) روزے کی پہلی قسم

عوام کا روزہ یہ ہے کہ صرف کھانے پینے اور جماع کرنے سے اپنے آپ کو روک لیا جائے، باقی دیگر اللہ کی منع کردہ چیزوں سے باز نہ آئے، یہ سب سے کم درجہ کا روزہ ہے۔ اس سے روزہ ادا تو ہو جاتا ہے، مگر اس پر ان فضائل و برکات کا ترتب نہیں ہوتا، جن کا ذکر احادیث میں گذرا ہے۔

اسی لیے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
« مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ. » (۲)

(۱) التعريفات للجرجانی: ۱۷۸، انیس الفقہاء: ۱/۱۳۷

(۲) البخاری: ۱۷۷۰، ترمذی: ۶۲۱، ابو داؤد: ۵/۲۰۱۵

(جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے، اللہ کو کچھ حاجت

نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔)

اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے کہ جو جہل اور جہل پر عمل کو نہ چھوڑے، اس

کے کھانے پینے کو چھوڑنے میں اللہ کی کچھ حاجت نہیں۔ (۱)

اس حدیث کے تحت علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث

کا مقتضی یہ ہے کہ جو ان باتوں (یعنی جھوٹ وغیرہ) کا ارتکاب کرے، اس کے

روزے پر ثواب نہ دیا جائے گا۔ اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ روزے کی مشروعیت

سے صرف بھوک و پیاس مقصود نہیں ہے؛ بل کہ اس سے مقصود شہوتوں کو توڑنا اور نفس

امارہ کو نفس مطمئنہ کا مطیع بنانا ہے۔ (۲)

الغرض! کھانا پینا چھوڑنے سے اگرچہ روزہ ادا ہو جاتا ہے اور ذمہ سے فرض ساقط

ہو جاتا ہے؛ مگر اس پر ثواب اور وہ فضائل مرتب نہیں ہوتے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) روزے کی دوسری قسم

دوسری قسم خواص کا روزہ ہے، وہ یہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے رکنے کے ساتھ

ساتھ اپنے اعضا: ہاتھ، پیر، زبان، آنکھ، کان، وغیرہ کو بھی اللہ کی منع کردہ چیزوں سے محفوظ

رکھا جائے، یعنی شریعت کے خلاف کوئی بات ان اعضا سے صادر ہونے نہ دیا جائے۔

شریعت میں یہ روزہ مطلوب ہے، جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا۔ اور

اوپر پیش کردہ اس حدیث میں اسی طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

(۱) ابن ماجہ: ۱۶۷۹، احمد: ۹۴۶۳

(۲) فتح الباری: ۴/۱۱۷

« من صام رمضان وعرف حدوده وتحفظ مما كان
 ينبغى له ان يتحفظ فيه كفر ما قبله. »
 (جس نے رمضان کا روزہ رکھا اور اس کے حدود کو جانا، اور ان باتوں
 سے اپنے کو محفوظ رکھا جن سے بچنا مناسب ہے، تو یہ روزہ اس گذشتہ
 گناہوں کا کفارہ بنا دیا جاتا ہے۔)

اس سلسلہ میں ایک عبرت ناک حدیث ملاحظہ کیجئے، وہ یہ کہ دو عورتوں نے روزہ
 رکھا اور پیاس کی شدت سے مرنے کے قریب ہو گئیں، ایک شخص نے رسول اللہ
 ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو بلوایا،
 اور جب وہ آئیں تو آپ نے ان کو ایک پیالے میں قے کرنے کے لیے فرمایا ان
 عورتوں نے جب قے کیا تو اس میں خون، پیپ اور کچا گوشت نکل آیا، اس پر نبی کریم
 ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« ان هاتين صامتاتهما حل الله و افطر تاعلى ما حرم الله
 عزوجل عليهما، جلست احداهما الى الاخرى فجعلتنا
 تأكلان لحوم الناس. » (۱)

(ان عورتوں نے ان چیزوں سے تو روزہ رکھا جن کو اللہ نے حلال
 کیا ہے، اور ان چیزوں سے روزہ کو توڑ دیا جن کو اللہ نے حرام کیا ہے،
 ان میں سے ایک دوسری کے پاس بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے
 لگیں، یعنی غیبت کرنے لگیں۔)

الغرض اپنے اعضا و جوارح کو ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کی فکر کرتے رہنا

(۱) مسند احمد: ۲۲۵، مسند ابو یعلیٰ: ۱۴۶/۳، قلت: اسنادہ ضعیف

اور روزے کی حدود کا خیال رکھنا مطلوبہ روزہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔

روزے کی تیسری قسم

تیسری قسم کا روزہ ان خاص الخواص کا روزہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اوپر بیان کردہ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی تمام برائیوں اور گندگیوں سے پاک و صاف کر لیا جائے، مثلاً حسد، بغض، کینہ، تکبر، ریاکاری وغیرہ امراض قلبی سے پاک و صاف ہو جائے۔

یہ روزہ بھی شرعاً مطلوب ہے، چنانچہ بعض حدیثوں میں یہ آیا ہے:
یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور مواساة و ہم دردی و غم خواری کا مہینہ

ہے۔ (۱)

حاصل یہ کہ پہلا روزہ ناقص ہے، دوسرا کامل اور تیسرا اکمل، ہم کو کوشش کرنا چاہئے کہ ہم ان خاص الخواص یا کم از کم خواص کے روزے کی طرح روزہ رکھیں، صرف پیاسے، بھوکے نہ رہیں، جیسے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«رب صائم لیس له من صیامہ الا الجوع ورب قائم

لیس له من قیامہ الا السهر.» (۲)

(بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں سوائے بھوک کے کچھ حاصل

نہیں، اور بہت سے رات بھر نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جنہیں سوائے

رات گذاری کے کچھ حاصل نہیں۔)

ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

(۱) اخرجہ ابن خزیمة: ۳/۱۹۱، والبیہقی فی شعب الایمان: ۳/۲۰۵، عن سلمان

الفارسی فی حدیث طویل.

(۲) ابن ماجہ: ۱۶۸۰، احمد: ۳۹۰۸.

« رب صائم حظه من صيامه الجوع والعطش ورب

قائم حظه من قيامه السهر. » (۱)

(بہت سے روزہ دار ہیں جن کا نصیب بھوک و پیاس ہے، اور بہت

سے رات بھر نماز پڑھنے والے ہیں جن کا حصہ رات گزاری ہے۔)

ہم نے اس جگہ بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے، ورنہ یہ موضوع بڑا طویل ہے؛ مگر

عاقل کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

روزے کے احکام و مسائل

روزہ کن لوگوں پر فرض ہے؟

ہر اس مرد و عورت پر رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے جو مسلمان ہو، بالغ ہو اور عاقل ہو۔ (۱)

البتہ ان عذروں میں سے کوئی عذر لاحق ہو اس کو جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور بعد میں ان کی قضا کر لے۔ اور وہ اعذار یہ ہیں:

- (۱) سفر میں ہونا، یا درہے کہ سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو اور آرام و راحت کا سفر ہو، تو روزہ رکھ لینا اچھا ہے۔
- (۲) روزہ رکھنے سے کسی مرض و بیماری کے پیدا ہو جانے سے یا بڑھ جانے یا مرجانے کا خوف ہو۔

نوٹ: مگر یاد رہے کہ محض دل میں اس طرح کا خیال جمالینے سے روزہ چھوڑنا جائز نہ ہوگا؛ بل کہ کسی حاذق و ثقہ متقی مسلمان ڈاکٹر و طبیب نے اگر ایسا کہا ہے، تو اس کا اعتبار ہوگا۔

- (۳) ایسی کم زوری ہے کہ یہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو اور اسی میں وہ بھی داخل ہے کہ کسی کو جہاد درپیش ہو اور روزہ رکھنے سے کم زوری کا خوف ہو۔
- (۴) دشمن کی طرف سے جان یا بدن کا خوف ہو، مثلاً کہے کہ اگر تو روزہ رکھے گا

(۱) فتح القدیر: ۳۰۲/۲، البحر الرائق: ۲/۲۷۶

تو ہم تیری جان لے لیں گے یا ہاتھ کاٹ دیں گے وغیرہ۔

(۵) عورت کو حیض یا نفاس ہو۔

(۶) عورت کو حالت حمل میں روزہ رکھنے سے اپنے یا بچے کو نقصان پہنچنے کا

اندیشہ ہونا۔

(۷) عورت اپنے یا کسی اور کے بچے کو دودھ پلانے کے دنوں میں ہو اور روزہ

رکھنے سے بچے کو نقصان ہونے کا خوف ہو۔

(۸) سخت بھوک و پیاس کا ہونا۔

(۹) بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی سکت نہ ہونا۔ (۱)

ان تمام اعذار کی وجہ سے رمضان کے روزے ان دنوں میں چھوڑ دینا جائز ہے؛

لیکن عذر کے ختم ہو جانے پر ان روزوں کی قضا کرنا لازم ہے، مثلاً مسافر سفر سے

واپسی پر، عورت حیض و نفاس سے پاک ہونے کے بعد اور مریض صحت یاب ہونے

کے بعد، اسی طرح مجاہد جہاد سے واپسی پر ان روزوں کی قضا کرے گا۔

روزہ کب صحیح ہوگا؟

روزہ اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ تین شرطیں پائی جائیں:

(۱) روزہ رکھنے والا مسلمان ہو، لہذا کافر کا روزہ صحیح نہیں۔

(۲) روزہ دار حیض و نفاس سے خالی ہو، لہذا حیض و نفاس والی عورت کا روزہ صحیح

نہیں ہوگا؛ بل کہ ان عورتوں کو روزہ رکھنا جائز نہیں ہے؛ بل کہ حیض و نفاس کے بعد

ان کے روزوں کی قضا کرنا چاہیے۔

ہاں! مرد کو حالت جنابت میں روزہ رکھنا درست ہے، اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا،

(۱) البحر الرائق: ۲/۳۰۲-۳۰۳، البدائع: ۲/۹۴

البتہ بے عذر نہ نہانا گناہ کی بات ہے۔

(۳) روزے کی نیت کرنا، یعنی دل سے روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا، لہذا اگر کوئی بلا نیت روزہ رکھے، تو اس کا روزہ نہ ہوگا۔ (۱)

مگر یہاں یاد رہے کہ روزہ کی نیت کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں؛ بل کہ دل سے ارادہ کرنا ضروری ہے کہ میں فلاں دن کا روزہ رکھتا ہوں۔

نیت کے ضروری مسائل

(۱) نیت رمضان کے روزوں کی ہر روز الگ الگ کرنا چاہئے، ایک ہی دن پورے رمضان کے روزوں کی نیت کرنا کافی نہیں۔ (۲)

(۲) ہر قسم کے روزے میں افضل یہی ہے کہ طلوع فجر ہی پر نیت کر لے؛ لیکن اگر کسی نے اس وقت نہیں کی تو رمضان کے ادائی روزوں میں اس قدر گنجائش ہے کہ آدھے دن یعنی زوال سے پہلے تک بھی نیت کر لینا درست ہے، اس کے بعد نیت کرنا درست نہیں۔ (۳)

(۳) رمضان کے ادائی روزوں کی نیت میں فرض کی تخصیص نہ کرنا بھی درست ہے، یعنی صرف یہ نیت کر لیا کہ میں روزہ رکھتا ہوں تو رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا۔ (۴)

روزے کے فرائض

روزے میں تین چیزیں فرض ہیں:

(۱) صبح صادق کے طلوع ہونے سے آفتاب کے غروب ہونے تک کچھ نہ کھانا۔

(۱) فتح القدیر: ۳۰۲/۲، البحر الرائق: ۲/۲۷۷، نور الابصار: ۱۰۰

(۲) البدائع: ۸۵/۲، عالمگیری: ۱۹۵/۱

(۳) فتح القدیر: ۳۰۳/۲، البدائع: ۸۵/۲، مراقی الفلاح: ۲۳۲

(۴) البدائع: ۸۴/۲، البحر الرائق: ۲/۲۸۰

(۲) طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ پینا اور جو چیز کھانے اور پینے کے مشابہ ہو وہ بھی اسی میں داخل ہے، مثلاً کان یا ناک میں تیل ڈالنا کہ اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، تفصیل آگے آئے گی۔

(۳) صبح صادق سے غروب آفتاب تک جماع اور ان چیزوں سے رک جانا جن سے عادت منی نکل جاتی ہے۔ (۱)

روزے کی سنتیں اور مستحبات

روزے کو اس کی تمام سنتوں اور آداب کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، تاکہ وہ عند اللہ مقبول و منظور ہو، جیسے ہم اپنے کسی بڑے کو کوئی چیز پیش کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کوشش کرتے ہیں کہ بہتر سے بہتر چیز پیش کریں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دربار عالی شان میں جس سے عظیم کوئی نہیں، عبادت بھی ایسی پیش کرنا چاہئے جو اس کے دربار کے شایان شان ہو، اس لیے حضرات فقہانے روزے کی سنتیں اور اس کے آداب کا ذکر کیا ہے، اور وہ یہ ہیں:

(۱) ایک ادب یہ ہے کہ ہر گناہ سے بچے، کیوں کہ روزہ کی اصلیت اسی سے حاصل ہوتی ہے، قرآن پاک میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (البقرة: ۱۸۸)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جیسا کہ تم سے

پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے؛ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔)

اس سے معلوم ہوا کہ روزے کا اصل مقصد تقویٰ ہے اور تقویٰ گناہوں سے

بچنے کا نام ہے۔

نیز اوپر حدیث گزر چکی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جھوٹ اور جھوٹ پر عمل کو نہ چھوڑے، اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔

نوٹ: یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گناہ سے بچنا تو ہر حال میں فرض ہے اور گناہ کا ارتکاب کرنا ہر حال میں حرام ہے اور ہم نے جو اس کو سنتوں میں شمار کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹے گا نہیں، جیسا کہ کسی روزے کے فرض کو چھوڑنے سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لحاظ سے اس کو سنت کہا گیا ہے ورنہ گناہ سے بچنا۔ قطع نظر روزے کی حالت کے۔ فرض ہے۔

(۲) روزے کی ایک سنت یہ ہے کہ دوسرے دنوں کے اعتبار سے روزے کے دنوں میں زیادہ عبادت کی جائے، خصوصاً رمضان کے اخیر عشرہ میں اس کا زیادہ اہتمام کیا جائے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان داخل ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازار کو سخت باندھ لیتے، پھر جب تک رمضان گزر نہ جاتا آپ بستر پر نہ آتے تھے۔ اور دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا اور آپ کی نماز زیادہ ہو جاتی اور آپ دعا میں گرگڑاتے اور رمضان کی حرص کرتے۔ یہ دونوں حدیثیں اوپر باحوالہ گزر چکی ہیں۔

(۳) ایک سنت یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں شب بیداری کریں اور اس میں عبادت کا اہتمام کریں؛ جیسا کہ ابھی حدیث گزری۔

(۴) ایک سنت یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا جائے، حضرت عائشہ، ابن عمر و ابو سعید خدری، انس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ سے

مروی ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور یہ سلسلہ وفات تک جاری تھا۔ یہ حدیث بھی اوپر گزر گئی۔

(۵) روزے کی سنت یہ بھی ہے کہ سحری کی جائے، حدیث میں حضرت انس

بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَاتًا. » (۱)

(سحری کھایا کرو؛ کیوں کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔)

(۶) ایک سنت یہ کہ سحری آخری وقت میں کی جائے اور افطار اول وقت پر کیا

جائے، یعنی سحری ایسے وقت کی جائے کہ اس کے بعد فجر ہو جائے، اگر کوئی شخص مثلاً رات ہی میں سحری کر کے سو جائے گا، تو بھی سحری ہو جائے گی؛ مگر ایسا کرنا سنت کے خلاف ہوگا۔ اسی طرح افطار سورج غروب ہوتے ہی کر لیا جائے، وقت ہو جانے کے بعد بھی خواخواہ تاخیر کرنا سنت کے خلاف ہے۔

سحری کے متعلق حدیث میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ سحری کھانے اور اذان کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پچاس آیتیں پڑھنے کے بعد رفاصلہ تھا۔ (۲)

اس حدیث سے اللہ کے رسول ﷺ کا معمول سحری کے سلسلہ میں معلوم ہوا کہ آپ آخری وقت میں سحری کرتے تھے۔

(۱) البخاری: ۱۷۸۹، مسلم: ۱۸۳۵، نسائی: ۲۱۱۷، ابن ماجہ: ۱۶۸۲، احمد: ۱۱۵۱۴

(۲) البخاری: ۱۷۸۷، مسلم: ۱۸۳۷، ترمذی: ۶۳۸، نسائی: ۲۱۲۶، ابن ماجہ: ۱۶۸۳،

اور افطار کے متعلق ایک حدیث میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ. »

(لوگ خیر پر باقی رہیں گے جب تک کہ وہ افطار میں جلدی کریں گے۔) (۱)

اور ایک حدیث میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْإِفْطَارَ وَآخَرُوا الشُّحُورَ. »

(میری امت خیر پر رہے گی جب تک کہ وہ افطار میں جلدی اور

سحری میں تاخیر کرے گی۔) (۲)

روزے کو توڑنے والی چیزیں

یاد رکھنا چاہئے کہ روزہ کو توڑنے والی چیزیں دو قسم کی ہیں: (۱) ایک وہ جن سے صرف قضا لازم آتی ہے، (۲) دوسری وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔

اس کا قاعدہ یہ ہے کہ قضا و کفارہ دونوں اس وقت لازم آتے ہیں جب کہ رمضان کے روزے میں جس کی نیت سحری کے وقت سے ہی کر لیا ہو، جان بوجھ کر بلا عذر صورتہ و معنی کوئی چیز کھالے یا پی لے یا جماع کر لے۔ (۳)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ صورتہ کھانے پینے سے مراد یہ ہے کہ منہ کے ذریعہ معدہ میں چیز پہنچائی جائے اور معنی کھانے پینے سے مراد یہ ہے کہ ایسی چیز معدہ میں

(۱) البخاری: ۱۸۲۱، مسلم: ۱۸۳۸، ترمذی: ۶۳۵، ابن ماجہ: ۱۶۸۷، احمد: ۲۱۷۳۹،

مالک: ۵۶۱

(۲) مسند احمد: ۲۰۳۵۰

(۳) بدائع: ۲/۹۷-۹۸، مراقی الفلاح: ۲۲۱، شامی: ۲/۴۱۰

پہنچائی جائے، جو غذا کی قسم کی ہو یا دوا کی قسم کی ہو، اور صورتاً جماع سے مراد یہ ہے سامنے کے یا پیچھے کے راستے سے صحبت کی جائے، اور معنی جماع سے مراد ایسا کام کیا جائے جس سے جماع کی لذت حاصل ہو جائے، پس جب دونوں طرح سے کھانا پینا اور جماع ہو، تو اس کی وجہ سے قضا و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔

اور صرف قضا اس وقت لازم آتی ہے جب کہ کھانا پینا اور جماع صرف صورتاً پائے جائیں یا صرف معنی پائے جائیں، لہذا اگر منہ سے کوئی چیز کھایا یا پیا؛ مگر وہ چیز غذا یا دوا میں استعمال نہیں ہوتی، مثلاً کنکر کھا گیا، تو اس سے صورتاً کھانا پایا گیا؛ مگر معنی کھانا نہیں پایا گیا اس لیے روزہ ٹوٹ تو جائے گا اور قضا بھی لازم ہوگی؛ لیکن کفارہ لازم نہ ہوگا، یا معدہ میں ایسی چیز پہنچایا جو نفع بخش ہے اور غذا یا دوا میں استعمال کی جاتی ہے؛ مگر یہ منہ سے نہیں؛ بل کہ ناک سے یا کسی اور جگہ سے پہنچائی تو اس سے معنی کھانا تو پایا گیا؛ مگر صورتاً کھانا نہیں پایا گیا، لہذا اس سے بھی صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ اس کے بعد ہم یہاں ان دونوں قسموں کی چند جزئیات لکھتے ہیں:

پہلی قسم

وہ باتیں جن سے قضا و کفارہ دونوں لازم آتے ہیں:

(۱) رمضان شریف کے مہینے میں روزہ رکھ کر ایسی چیزیں قسداً کھانا یا پینا

جو غذا یا دوا یا لذت کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ (۱)

(۲) قسداً ہم بستری کرنا، چاہے سامنے کی راہ سے ہو یا پیچھے سے ہو، اور خواہ

منی نکلے یا نہ نکلے، اور یہ قضا و کفارہ صحبت کرنے والے پر بھی اور جس سے صحبت کی

- جائے اس پر بھی واجب ہے۔ (۱)
- (۳) فصد کھلوائی یا سرمہ لگایا اور کوئی ایسا کام کیا جس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ مگر اس نے یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا قصداً کھالیا، یا پی لیا تو ان صورتوں میں بھی قضا کفارہ دونوں واجب ہیں۔ (۲)
- (۴) بارش کا پانی روزے دار کے منہ میں پڑ گیا اور وہ اس کو نگل گیا تو اس سے بھی قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ (۳)
- (۵) اگر گنے کا رس چوسا تو اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں، کیوں کہ گنا اسی طرح کھایا جاتا ہے۔ (۴)
- (۵) اگر روزے کی حالت میں بیڑی یا سگریٹ یا حقہ پئے، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس سے قضا لازم ہوگی اور بعض علما کے نزدیک قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے، علامہ عبداللہ لکھنوی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۵)
- دوسری قسم

وہ چیزیں جن سے صرف قضا لازم آتی ہے:

- (۱) کسی نے زبردستی روزہ دار کے منہ میں کوئی چیز ڈال دی اور وہ حلق سے اتر گئی۔

(۲) روزہ یاد تھا اور کلی کرتے وقت بلا قصد حلق میں پانی اتر گیا۔

(۱) در مختار و شامی: ۲/۲۰۹-۲۱۰

(۲) در مختار و شامی: ۲/۲۰۹-۲۱۰، مراقی الفلاح: ۲۲۱

(۳) مراقی الفلاح: ۲۲۱

(۴) بدائع الصنائع: ۲/۹۹

(۵) مراقی الفلاح: ۲۲۱، عمدۃ الرعاہ علیہ علی ہامش شرح الوقایہ: ۱/۲۳۶

- (۳) تے ہوئی اور قصداً حلق میں لوٹالی۔
- (۴) قصداً منہ بھر کے تے کر ڈالی۔
- (۵) کنکری یا پتھر کا ٹکڑا یا گٹھلی یا مٹی کا یا کاغذ کا ٹکڑا قصداً نگل لیا۔
- (۶) دانتوں میں اٹکی ہوئی چیز کو زبان سے نکال کر نگل لیا، جب کہ وہ چنے کے دانے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اور اگر منہ سے باہر نکال کر پھر نگل لیا تو چاہے چنے سے کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔
- (۷) کان میں تیل ڈالا۔
- (۸) ناس لیا۔
- (۹) دانتوں میں سے نکلے ہوئے خون کو نگل لیا، جب کہ خون تھوک پر غالب ہو۔
- (۱۰) بھولے سے کچھ کھاپی لیا اور یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر قصداً کھایا پیا۔
- (۱۱) یہ سمجھ کر کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی سحری کھالی، پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی۔
- (۱۲) رمضان شریف کے سوا اور دنوں میں کوئی روزہ قصداً توڑ ڈالا۔
- (۱۳) ابریا غبار کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا روزہ افطار کر لیا، حالانکہ دن ابھی باقی تھا۔
- ان سب صورتوں میں صرف ان روزوں کی قضا رکھنی پڑے گی، جن میں ان باتوں میں سے کوئی پیش آئی ہے اور کفارہ ان میں واجب نہیں۔ (۱)
- کن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے؟
- روزہ میں بعض چیزیں مکروہ ہیں، ان کے ارتکاب سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں؛ مگر

(۱) مراقی الفلاح: ۲۴۴-۲۴۷، بدائع الصنائع: ۲/۹۹-۱۰۱، عالمگیری: ۱/۲۰۲-۲۰۵

اس میں نقص و کمی آجاتی ہے، لہذا ان باتوں سے بھی بچنے کی کوشش کرنا چاہیے، وہ چیزیں یہ ہیں:

- (۱) گوند یا کوئی اور چیز منہ میں ڈالے رکھنا یا چبانا اور اسی میں کوئلہ یا منجن یا پیسٹ سے دانت صاف کرنا بھی داخل ہے۔
 - (۲) کوئی چیز مثلاً سالن وغیرہ چکھنا، البتہ جس عورت کا خاوند سخت اور بد مزاج ہو اسے زبان کی نوک سے سالن کا نمک چکھ لینا درست ہے۔
 - (۳) استنجے میں زیادہ پاؤں پھیلا کر بیٹھنا یا دھونے میں مبالغہ کرنا۔
 - (۴) کلی یا ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔
 - (۵) منہ میں تھوک جمع کر کے نگلنا۔
 - (۶) بے قراری و گھبراہٹ ظاہر کرنا۔ (یعنی روزے کی وجہ سے)
 - (۷) بیوی سے بغل گیر ہونا یا بوسہ لینا بشرطے کہ انزال کا خوف ہو۔
 - (۸) ایسا کام کرنا جس سے کم زوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، جس کی بنا پر روزہ توڑ ڈالنا پڑے، مثلاً کھیل کود، یا گھومنا پھرنا وغیرہ، اسی طرح روٹی وغیرہ پکانے والے کا اپنے اس کام میں اس طرح لگنا جس سے روزہ توڑنے تک نوبت پہنچے، یہ جائز نہیں۔ (۱)
- اسی طرح یہ باتیں بھی روزے میں مکروہ ہیں:
- (۱) غیبت کرنا (۲) جھوٹ بولنا (۳) گالی گلوچ کرنا (۴) لڑائی جھگڑا کرنا
 - (۵) گانا، بجانا، گانا سننا، خواہ ریڈیو کے ذریعہ ہو یا T.V. کے ذریعہ یا کسی آدمی سے۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے، کیوں کہ اوپر ذکر کردہ احادیث سے معلوم ہوا کہ گناہ۔
- کے کام سے روزہ میں فرق آجاتا ہے۔

(۱) عالمگیری: ۱/۱۹۹-۲۰۰، مراقی الفلاح: ۲۲۸-۲۲۹ در مختار مع الشامی: ۲/۲۱۶-۲۱۹، بحر الرائق: ۲/۳۰۳-۳۰۴

وہ چیزیں جو روزے میں مکروہ نہیں ہیں

بعض باتیں ایسی ہیں جو روزے میں جائز ہیں، مکروہ بھی نہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) سرمہ لگانا۔

(۲) مسواک کرنا، خواہ تر ہو یا سوکھی ہو؛ بل کہ مسواک کرنا روزے میں بھی

سنت ہے۔

(۳) بدن پر یا سر میں تیل ڈالنا یا ملنا۔

(۴) ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا یا کپڑا تر کر کے سر پر باندھنا۔

(۵) خوش بولگانا یا خوش بوسو گھنا۔

(۶) بھول کر کچھ کھانی لینا۔

(۷) خود بخود تے ہو جانا۔

(۸) جمع کیے بغیر ویسے ہی اپنا تھوک نکلنا۔

(۹) بلا قصد مکھی یا دھویں کا حلق سے اتر جانا۔

(۱۰) احتلام ہو جانا۔ (۱)

روزے کے چند جدید مسائل

نئے حالات و نئے دور میں فقہیات کا باب بھی وسیع ہوتا جاتا ہے، اور اس کے دامن میں نئے نئے مسائل کو جگہ لینی پڑتی ہے، چنانچہ روزہ کے سلسلہ میں بھی متعدد نئے مسائل پیدا ہو گئے، جن کا جواب فقہاء کی ذمہ داری ہے، یہاں ہم اہم اہم چند مسائل کا ذکر کرتے ہیں، اس سلسلہ میں احقر کی کتاب ”رمضان اور جدید مسائل“ کی طرف مراجعت کی جائے۔

(۱) المواقی: ۲۴۹، البحر: ۲۰۱/۲-۲۰۲، عالمگیری: ۱/۹۹۱-۲۰۱، درمختار و شامی: ۲/۳۹۶

(۱) روزہ میں انجکشن کا کیا حکم ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر عام قسم کی بیماریوں کا انجکشن لیا جائے، جو رگوں کے ذریعہ دیا جاتا ہے، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اگر ایسا انجکشن لیا جائے جو بلا واسطہ گوشت میں دیا جاتا ہو یا اور کسی منفذ اصلی سے پہنچایا جاتا ہو، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے ذیابیطس کے لئے انسولین اور کتا کاٹنے پر دیا جانے والا انجکشن گوشت میں دیا جاتا ہے۔

(۲) روزہ کی حالت میں بدن میں خون یا گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ لیکن بلا کسی سخت ضرورت کے ایسا نہیں کرنا چاہئے، ورنہ روزہ مکروہ ہوگا۔

(۳) اگر عورت روزہ کی حالت میں اپنی شرم گاہ میں لوپ داخل کرے، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر لوپ پہلے داخل کر چکی ہو اور پھر روزہ رکھے تو اس سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

(۴) روزہ کی حالت میں بدن سے خون نکالنا جائز ہے، بشرطے کہ اس کی وجہ سے ایسی کم زوری پیدا نہ ہو، جو روزہ توڑنے پر مجبور کر دے۔

(۵) روزہ میں اگر داڑھ یا دانت نکلوائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ لیکن چوں کہ اس سے کم زوری پیدا ہو سکتی ہے اس لیے بلا ضرورت نکلوانے سے احتیاط کرنا چاہئے اور اگر اس موقع پر خون نکل کر حلق میں چلا جائے، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۶) روزہ کی حالت میں مصنوعی دانتوں کا استعمال جائز ہے، اس میں کوئی کراہت بھی نہیں۔

(۷) بیڑی، سگریٹ، حقہ کا استعمال روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، کیوں کہ اس کا دھواں معدے میں بہ راہ راست پہنچتا ہے۔

(۸) اگر بتی، عود، موڑوں اور چولھے وغیرہ کا دھواں اگر منہ میں چلا جائے تو

اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، بشرطے کہ اس سے بچنا ممکن ہو اور اگر اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۹) روزہ میں نسوار، ویکس، امرتجن وغیرہ سونگھی جانے والی دوائیاں اگر سونگھے اور اس کی تیزی ناک کے ذریعہ اندر محسوس ہو تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور ویکس انہیلر کا بھی احتیاطاً یہی حکم ہے، کیوں کہ اس سے اندر جانے والی دوا اگر چہ ڈاکٹروں کے بقول پھیپڑوں میں پہنچتی ہے؛ مگر کچھ اجزاء کا معدہ میں چلے جانے کا بھی امکان ہے۔

(۱۰) منجن اور ٹوتھ پیسٹ کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، مکروہ ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں ایک قسم کا مزہ ہوتا ہے اور مزہ رکھنے والی چیز کا منہ میں رکھنا روزہ میں مکروہ ہے اور روزہ نہ ٹوٹنا اس وقت ہے جب کہ یہ حلق میں نہ جائے اور اگر حلق میں چلا گیا تو اور چیزوں کی طرح یہ بھی روزہ کو توڑ دیتا ہے۔ (۱)

(۱۱) روزہ دار اگر آنکھوں میں دوائی ڈالے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ اس دوا کا اثر کبھی حلق میں بھی محسوس ہو۔

(۱۲) گیس کے اندر پہنچ جانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، جیسے دھواں پہنچ جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، ہاں! اگر اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

قضا و کفارے کے احکام

(۱) قضا جس قدر جلدی ہو سکے رکھ لینا چاہئے تاخیر نہ کرے، قرآن میں بھی یہی کہا گیا ہے۔

(۲) قضا روزے کا وقت رمضان کے بعد عید الفطر کا دن اور ایام تشریق (۱۰/ ذی الحجہ سے ۱۳/ ذی الحجہ) کے علاوہ پورا سال ہے۔ (۲)

(۱) بدائع: ۱۰۳/۲

(۲) بدائع: ۱۰۳/۲

(۲) اگر کئی روزے قضا ہوں تو لگاتار رکھنا ضروری نہیں؛ بل کہ وقتاً فوقتاً ایک ایک، دودو بھی رکھ سکتے ہیں۔ (۱)

(۳) اگر ایک رمضان کے کچھ یا پورے روزے قضا ہو گئے اور ان کی قضا رکھنے سے پہلے دوسرا رمضان آ گیا، تو اب پہلے اس رمضان کے ادا روزے رکھے، پھر رمضان کے بعد پہلے رمضان کی قضا کرے۔ (۲)

(۴) روزے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے؛ لیکن ان ملکوں میں غلام نہیں ہیں، اس لیے یہاں صرف دو صورتوں سے کفارہ دیا جاسکتا ہے، ایک یہ کہ دو مہینے یعنی ساٹھ دن لگاتار روزے رکھے، دوسرے یہ کہ اگر دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو، تو ساٹھ مسکینوں (غریبوں) کو دونوں وقت (صبح و شام) پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، یا ساٹھ مسکینوں کو فنی کس پونے دو سیر گیہوں یا ان کی قیمت یا اس قیمت کے برابر چاول، باجرہ، جو ادریدے۔ (۳)

(۵) یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کسی کو کفارے میں ساٹھ روزے رکھنے کی طاقت ہو، تو اس کو مسکینوں کو کھانا کھلا دینا کافی نہ ہوگا، یہ صرف اس کے لیے ہے جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (۴)

(۶) اگر کسی نے ایک ہی رمضان کے کئی روزے توڑ دیے تو صرف ایک کفارہ لازم ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے پہلا روزہ اور اکیسواں روزہ توڑ دیا تو یہ دو روزے قضا رکھے اور ساٹھ روزے کفارے کے رکھ لے، یہ اس کے لیے کافی ہے۔ (۵)

(۱) عالمگیری: ۲۱۵/۱

(۲) عالمگیری: ۲۰۸/۱، در مختار و شامی: ۲۲۳/

(۳) مراقی الفلاح: ۲۲۳، تاترخانیہ: ۱۳۹/۳، عالمگیری: ۲۱۵/۱

(۴) مراقی الفلاح: ۲۲۳، عالمگیری: ۲۱۵/۱

(۵) بدائع: ۱۰۱/۲، عالمگیری: ۲۱۵/۱

(۷) اگر ایک فقیر و مسکین کو ساٹھ دنوں تک ہر روز ایک دن کا غلہ (پونے دو سیر گیہوں) دے دیا جائے یا اسے ساٹھ دن تک دونوں وقت کھانا کھلا دیا جائے، تو جائز ہے، یعنی ساٹھ مسکینوں کے بہ جائے ایک ہی کو اوپر کی صورت کے مطابق دیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ایک دن سے زیادہ کا غلہ یا اس کی قیمت دی جائے، تو ایک دن کا کفارہ صحیح ہوگا اور زیادہ کا کفارے میں شمار نہ ہوگا۔ (۱)

(۸) ایک فقیر کو ایک دن کے غلہ کی مقدار سے کم دینا بھی درست نہیں۔ (۲)

فدیہ کے احکام

(۱) اگر کوئی اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ روزے رکھنے کی طاقت نہیں اور آئندہ بھی طاقت آنے کی امید نہیں ہے، تو اس کو روزوں کا فدیہ دینا چاہیے۔ (۳)

(۲) اگر کوئی ایسا بیمار ہے کہ صحت پانے کی امید نہیں اور اس کا مرض بڑھتے بڑھتے موت تک دراز ہو گیا، تو اس پر قضا نہیں ہے اور نہ فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے، ہاں! اگر وہ وصیت کر جائے کہ میرے روزوں کا فدیہ دیے دو، تو اس کی یہ وصیت درست ہے اور اس کے مال کے تہائی میں سے اس کو پورا کیا جائے گا۔ (۴)

(۳) اور اگر بیمار آدمی اپنی بیماری سے صحت یاب ہو گیا اور اسے اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کو قضا کرنے کی مدت بھی ملی، تو اس پر قضا لازم ہے، اگر اس نے قضا نہیں کی اور موت کا وقت آ گیا، تو اس پر فدیہ دینے کی وصیت کرنا لازم ہے، اگر

(۱) تاتارخانیہ: ۳/۱۱۴۱ البحر الرائق: ۴/۱۰۹

(۲) البحر الرائق: ۴/۱۱۰

(۳) عالمگیری: ۱/۲۰۷، البحر الرائق: ۲/۳۰۸

(۴) عالمگیری: ۱/۲۰۷، در مختار مع شامی: ۲/۷۴

اس نے وصیت نہیں کی اور اس کے وارثین اس کی طرف سے فدیہ دے دیں تو جائز ہے؛ مگر ان پر واجب نہیں۔ (۱)

(۴) ایک شخص کے ذمے روزے قضا تھے، اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص اس کے روزے نہیں رکھ سکتا؛ بل کہ چاہے تو اس کا وارث فدیہ دے سکتا ہے۔ (۲)

(۵) اور فدیہ یہ ہے کہ ہر روزے کے بدلے میں پونے دو سیر گہوں یا ساڑھے تین سیر جو، یا ان میں سے کسی کی قیمت یا ان کی قیمت کے برابر کوئی غلہ مثلاً چاول وغیرہ دے دیا جائے۔ (۳)

(۶) فدیہ میں ہر روزے کے بدلہ میں ایک مسکین کو صبح و شام کھانا پیٹ بھر کر کھلا دینا بھی جائز ہے اور فدیہ کے غلے کو اگر بانٹ کر کئی مسکینوں کو دے دے، تو بھی درست ہے۔ (۴)

(۷) فدیہ اگر شروع رمضان ہی میں ایک مشت دے دیا، تو بھی جائز ہے اور اگر اخیر میں ایک مشت دے دیا تو بھی جائز ہے۔ (۵)

یہ چند اہم مسائل ہیں جو روزے کے احکام سے متعلق یہاں پیش کئے گئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے مسائل ہیں، ضرورت پر حضرات علما سے پوچھ لینا چاہئے۔

(۱) مراقی الفلاح: ۱۷۰، عالمگیری: ۱/۲۰۷

(۲) مراقی الفلاح: ۱۷۰، بدایۃ المبتدی: ۴۱، عالمگیری: ۱/۲۰۷

(۳) بدایۃ المبتدی: ۴۱، البحر الرائق: ۲/۳۰۸، عالمگیری: ۱/۲۰۷

(۴) در مختار مع شامی: ۲/۲۲۸، البحر الرائق: ۲/۳۰۸

(۵) عالمگیری: ۱/۲۰۷، البحر الرائق: ۲/۳۰۸

نماز تراویح کا بیان

رمضان کے خاص اعمال میں سے ایک نہایت اہم عمل نماز تراویح ہے، احادیث میں اس کی اہمیت و فضیلت بہت واضح انداز میں بیان ہوئی ہے، ہماری کوتاہیوں کی فہرست میں یہ بھی ہے کہ عام طور پر ہم لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، بہت سے لوگ رمضان میں افطاری کے بعد سونے کی تیاری کرنے لگتے ہیں اور بعض لوگ عشا کی نماز کے فوراً بعد سو جاتے ہیں، اور بعض دوستوں میں اول فول بکواس کرتے بیٹھتے ہیں اور تراویح نہیں پڑھتے، حالاں کہ جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔ تراویح نہایت اہمیت کی چیز ہے اور اس میں کوتاہی کرنا بری بات ہے، ہم یہاں پہلے اس کی فضیلت و ثواب، پھر اس کے متعلق احکام و مسائل بیان کریں گے۔

نماز تراویح کی فضیلت

نماز تراویح کی فضیلت میں چند احادیث پیش کرتا ہوں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

« من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من

ذنبه. » (۱)

(۱) البخاری: ۳۶، نسائی: ۲۱۷۰، احمد: ۸۹۲۰

(جو شخص رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کرے، (یعنی نماز پڑھے) اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« من صام رمضان وقامہ ایمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه. » (۱)

(جو شخص رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے گا اور قیام کرے گا، (یعنی نماز پڑھے گا) اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔)

اس حدیث میں گناہوں سے کون سے گناہ مراد ہیں؟ اس میں دونوں قول ہیں: بعض نے کہا کہ اس سے مراد صغیرہ و کبیرہ دونوں گناہ ہیں، علامہ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر جزم کیا ہے اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مشہور ہے یہ ہے کہ یہ معافی صغیرہ گناہوں کے ساتھ خاص ہے، امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر جزم کیا ہے اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر کسی کے چھوٹے گناہ نہ ہوں تو اس کے بڑے گناہ معاف ہوں گے۔ (۲)

ان روایات میں صرف پچھلے گناہوں کا بخشا جانا مذکور ہے، مگر بعض روایتوں میں ”وماتأخر“ بھی آیا ہے، یعنی اگلے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے جیسا کہ ابن حجر

(۱) ترمذی: ۶۱۹، احمد: ۱۰۱۳۳

(۲) فتح الباری: ۲/۲۵۱

رَحْمَةُ اللهِ) نے فتح الباری میں ان روایات کو نقل کیا ہے۔ (۱)
 اور اگلے گناہوں کے بخشے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے
 بچالیں گے، لہذا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تراویح پڑھنے کے بعد گناہ کرنے سے
 اس کا وبال نہ آئے گا؟ اور یہ گناہوں سے بچنا بھی اضطراری نہیں؛ بل کہ اس کا حاصل
 صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب مہیا فرمادیں گے کہ انسان کو گناہوں سے بچنا
 آسان ہو جائے گا۔ (فافہم)
 (۳) حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا:

«ان الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم
 وسنت لكم قيامه، فمن صامه وقامه ايمانا واحتسابا خرج
 من ذنوبه كيوم ولدته امه.» (۲)

(اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے اور میں
 نے اس کے قیام یعنی تراویح کی نماز کو سنت قرار دیا ہے، پس جو شخص
 رمضان کے روزے اور اس کی نماز ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت
 سے ادا کرتا ہے وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے اس دن
 تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنما تھا۔)

(۴) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک طویل حدیث میں رسول اللہ

(۱) فتح الباری: ۲/۲۵۱

(۲) نسائی: ۲۱۸۰، ابن ماجہ: ۱۳۱۸، احمد: ۱۵۶۹، ابن خزیمہ: ۳/۳۳۵، مسند

طیالسی: ۱/۳۰، مسند ابو یعلیٰ: ۲/۱۷۰

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے یہ جملے بھی نقل فرمائے ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا:

« فانی أشهدكم يا ملائكتي! انى قد جعلت ثوابهم من

صيامهم شهر رمضان وقيامه رضائي ومغفرتي. » (۱)

(اے میرے ملائکہ! تم گواہ رہنا کہ میں نے میرے بندوں کے

رمضان کے روزوں اور اس کے قیام یعنی تراویح کی نماز کا ثواب میری

رضا اور بخشش کو ٹھہرایا۔)

ان سب احادیث میں قیام رمضان یعنی تراویح کی فضیلت و بزرگی کا

بیان ہے۔

تراویح کے احکام و مسائل

- (۱) رمضان المبارک میں نماز تراویح مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔ (۱)
- نوٹ:** یاد رکھنا چاہیے کہ تراویح روزے سے الگ عبادت ہے، لہذا جو لوگ کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں، ان کو بھی تراویح پڑھنا چاہیے۔
- (۲) نماز تراویح کا وقت عشا کی نماز کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق تک رہتا ہے، لہذا عشا سے پہلے تراویح نہ ہوگی۔ (۲)
- (۳) وتر کی نماز تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے، اگر پہلے پڑھ لے تو بھی ہو جائے گی۔ (۳)
- (۴) نماز تراویح تہائی رات کے بعد افضل ہے اور نصف شب کے بعد خلاف اولیٰ ہے۔ (۴)
- (۵) تراویح کی ہر دو رکعت پر الگ الگ نیت کرنا چاہئے، ایک دم بیس رکعت کی نیت کر لینا بھی بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے؛ لیکن احتیاط اسی میں ہے الگ الگ نیت کی جائے۔ (۵)

(۱) مراقی الفلاح: ۱۵۹، تاتارخانیہ: ۱/۴۱۰، البحر الرائق: ۲/۶۶

(۲) تاتارخانیہ: ۱/۴۱۳

(۳) تاتارخانیہ: ۱/۴۱۳

(۴) تاتارخانیہ: ۱/۴۱۴

(۵) شامی: ۲/۴۴

(۶) تراویح کی نماز کا جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنا سنت کفایہ ہے، لہذا مسجد کی جماعت کے علاوہ کسی اور جگہ بھی تراویح پڑھنا درست ہے، جب کہ محلہ کی مسجد میں بھی جماعت کا انتظام ہو۔ (۱)

(۷) تراویح کی بیس رکعات اس طرح پڑھنا چاہئے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے اور ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر آرام کرے۔ (۲)

(۸) ہر چار رکعت کے بعد جب بیٹھے تو اس میں خواہ خاموش رہے یا نفل پڑھے یا ذکر کرے یا تلاوت کرے یا دعائے مانگے، سب اختیار ہے۔ (۳)

(۹) بعض علاقوں میں تراویح کی دعا کے نام سے جو دعائیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں پر مشتمل رائج ہیں اور ہر دو یا چار رکعتوں پر تمام لوگ مل کر یا کوئی ایک مقرر آدمی زور زور سے پڑھتا ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور بدعت میں داخل ہے۔ اسی طرح جو دعا ”سبحان الملک القدوس الخ“ کے الفاظ سے پڑھی جاتی ہے، اس کا بھی احادیث سے ثبوت نہیں، لہذا اس کو ضروری سمجھنا اور امام یا مقتدیوں پر اس کے پڑھنے کو لازم کرنا بدعت ہے، ہاں اور دعاؤں کی طرح بلا التزام پڑھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (دیکھو احقر کا رسالہ ”منکرات رمضان“)

(۱۰) اگر عشا کی نماز جماعت سے نہیں پڑھا تو تراویح کی نماز بھی جماعت سے نہ پڑھے؛ لیکن اگر کوئی شخص عشا کی جماعت میں شریک نہ تھا، دوسرے لوگوں نے عشا جماعت سے پڑھی تو یہ ان لوگوں کے ساتھ تراویح جماعت سے پڑھ سکتا ہے، جو جماعت سے عشا پڑھ چکے ہوں۔ (۴)

(۱) البحر الرائق: ۲/۶۸، شامی: ۲/۴۵

(۲) تاتارخانیہ: ۱/۴۱۲

(۳) تاتارخانیہ: ۱/۴۱۲، البحر الرائق: ۲/۶۹

(۴) البحر الرائق: ۲/۷۰، شامی: ۲/۴۸

(۱۱) اور اگر کوئی شخص تراویح کی نماز جماعت سے نہیں پڑھا، تو وہ وتر کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے۔ (۱)

(۱۲) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ عشا کی نماز ہو چکی ہو، تو اسے چاہئے کہ پہلے عشا کی نماز پڑھے پھر تراویح میں شریک ہو اور جو رکعتیں تراویح کی چھوٹ جائیں ان کو وتر کے بعد پڑھے، یا ترویجہ کے موقع پر پڑھ لے۔ (۲)

(۱۳) مہینہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ (۳)

(۱۴) تراویح میں ایک مرتبہ کسی بھی سورت کے شروع میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ بلند آواز سے پڑھ لینا چاہیے ورنہ سننے والوں کا قرآن مکمل نہ ہوگا۔

(۱۵) بعض لوگ تراویح میں ”قل هو اللہ احد“ کو تین بار پڑھتے ہیں، یہ مکروہ ہے۔

(۱۶) تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت لینا جائز ہے، اگر کوئی بلا اجرت حافظ نہ ملے تو ”الم ترکیف“ سے پڑھ لیں۔ (تفصیل کے لیے ”منکرات رمضان“ اور ”رمضان اور جدید مسائل“ دیکھیں۔)

تراویح کی بیس رکعت کا ثبوت

نماز تراویح میں کتنی رکعات ہیں؟ اس میں جمہور امت کا جواب یہ ہے کہ بیس رکعات ہیں اور غیر مقلدین نے بارہ سو سال کے بعد اس مسئلہ سے اختلاف کیا

(۱) درمختار مع شامی: ۲/۴۸

(۲) درمختار مع شامی: ۲/۴۴

(۳) مرقی الفلاح: ۱۶۰، شامی: ۲/۴۶، البحر الرائق: ۲/۷۴

اور یہ دعویٰ کیا کہ تراویح میں آٹھ رکعتیں ہیں۔

چوں کہ یہ مسئلہ آج کل نزاع کا باعث بنتا جا رہا ہے، اور عوام الناس پریشان ہوتے ہیں، اس لیے ہم یہاں صرف جمہور امت کی تائید میں چند دلائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں؛ تاکہ ان لوگوں کو جو مذہب کا شکار ہیں تشفی ہو سکے، باقی کسی سے بحث مباحثہ مقصود نہیں۔

لہذا عرض ہے کہ تراویح میں بیس رکعت ہونے کا ثبوت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی ہوتا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اس کے مطابق ہونا بعض روایات میں آیا ہے۔

(۱) یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

« ان عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ أمر رجلاً أن یصلی بہم

عشرین رکعة. » (۱)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات

پڑھائے۔)

یہ روایت منقطع ہے، کیوں کہ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا؛ مگر اولاً تو احناف کے نزدیک تابعین کے قرن کا انقطاع جرح نہیں، پھر اس روایت کی تائید دوسری روایتوں سے ہوتی ہے جیسے کہ آگے مذکور ہے۔

(۲) سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس

رکعات پڑھتے تھے۔ (۲)

(۳) سائب بن یزید ہی کی ایک روایت میں اس طرح ہے:

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۲

(۲) آثار السنن: ۵۵/۲

« كانوا يقومون على عهد عمر ابن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة. » (۱)
 (لوگ حضرت عمر رضي الله عنه کے زمانے میں رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔)

علامہ نیوی رحمہ اللہ ”آثار السنن“ میں کہتے ہیں کہ اس کو بیہتی نے ”معرفہ“ میں روایت کیا ہے اور علامہ سبکی رحمہ اللہ نے ”شرح منہاج“ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی روایت کے ایک طریق میں یوں آیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضي الله عنه کے عہد خلافت میں رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے، اس کو علامہ نووی رحمہ اللہ نے ”خلاصہ“ میں اور ابن العراقی رحمہ اللہ نے ”شرح تقریب“ میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”مصابیح“ میں صحیح قرار دیا ہے۔ (۲)
 (۳) یزید بن رومان کہتے ہیں کہ:

« كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه في رمضان ثلاث وعشرين ركعة. » (۳)
 (لوگ حضرت عمر رضي الله عنه کے زمانے میں رمضان میں تیس رکعت پڑھتے تھے۔)
 (۴) عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

« كان ابي ابن كعب رضي الله عنه يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث. » (۴)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۲

(۲) آثار السنن: ۵۵/۲

(۳) مؤطا امام مالک: ۱۱۵، شعب الایمان: ۳/۱۷۷، سنن بیہقی: ۲/۴۹۶

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۲، سنن بیہقی: ۲/۴۹۷

(حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان میں مدینہ میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔)
(۵) ابوالحسناء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«ان علیا أمر رجلاً أن یصلی بهم عشرين رکعة.» (۱)
(حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔)

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے حضرت شتیر بن شکل رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (۲)

(۷) مشہور تابعی امام حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:
«أدرکت الناس وهم یصلون ثلاثة وعشرين رکعة بالوتر.» (۳)

(میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ وتر کے ساتھ تیس رکعت پڑھتے تھے۔)
(۸) حضرت نافع بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«کان ابن ابی ملیکة رضی اللہ عنہ یصلی بنا فی رمضان عشرين رکعة.» (۴)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۲، سنن بیہقی: ۲/۴۹۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۲، سنن بیہقی: ۲/۴۹۶

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۲

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۲

(حضرت ابن ابی ملیکہ صحابی رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔)

(۹) حضرت ابو الخصب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

« كان يؤمناسويد بن غفلة رضی اللہ عنہ في رمضان فيصلي خمس ترويحيات عشرين ركعة. » (۱)

(حضرت سوید بن غفلہ صحابی رضی اللہ عنہ رمضان میں ہماری امامت

فرماتے تھے، پس پانچ ترویحات سے بیس رکعت پڑھاتے تھے۔)

ان سب روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ حاصل کیا نکلتا ہے؟ ان میں سے بعض روایات منقطع و ضعیف سہی؛ مگر حکم مجموعہ روایات پر ہوتا ہے، پھر دوسری روایت تو بالکل صحیح ہے، اساطین علم نے اس کی تصحیح کی ہے، جیسا کہ نقل کیا جا چکا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا عمل اختیار نہیں کر سکتے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے خلاف ہو، لہذا اس کو اس لحاظ سے حکماً مرفوع بھی کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ رکعت کی تعداد قیاسی واجتہادی چیز نہیں اور جو مخالف قیاس ہو، اور صحابہ سے اگر منقول ہو، تو حکم میں مرفوع کے ہوتا ہے، چنانچہ اس کی تائید ایک مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے۔

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

« ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يصلي في رمضان

عشرين ركعة والوتر. » (۲)

(۱) سنن بیہقی: ۲/۳۹۶

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱۶۴، معجم کبیر: ۱۱/۳۹۳، معجم اوسط: ۲۲۳، سنن

بیہقی: ۲/۳۹۶، مسند عبد ابن حمید: ۱/۲۱۸

(رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ رمضان میں بیس رکعت اور وتر

پڑھتے تھے۔)

ابن ابی شیبہ کی روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے ایک کے جن کا نام ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے اور اگرچہ ان کے متعلق اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ ضعیف ہیں؛ مگر ان کے بارے میں محدثین میں سے بعض اچھی رائے بھی رکھتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے ”تہذیب التہذیب“ میں نقل کیا ہے کہ ابن عدی رحمۃ اللہ

نے کہا کہ ان کی احادیث صالحہ ہیں اور یہ ابراہیم بن ابی حنیہ سے اچھے ہیں۔ (۱)

ابن عدی رحمۃ اللہ نے ان کو ابراہیم بن ابی حنیہ سے بہتر قرار دیا ہے اور ابراہیم بن ابی حنیہ کے بارے میں امام عثمان الدارمی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ نے کہا کہ: ”شیخ ثقہ کبیر“ (یہ قابل اعتماد شیخ کبیر ہیں۔) (۲)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ابی حنیہ کے بارے میں اختلاف ہے اور وہ حسن الحدیث ہیں، عثمان الدارمی رحمۃ اللہ نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ یہ شیخ ثقہ کبیر ہیں، پس جو ان ابراہیم سے بھی بہتر اور اچھا ہوگا وہ مختلف فیہ اور حسن الحدیث ہونے سے کم نہ ہوگا۔ (۳)

بہر حال یہ روایت بھی حسن ہوگی اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اس کا مؤید ہے، لہذا معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح جیسے صحابہ کا عمل ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا بھی معمول رہا ہے۔

(۱) تہذیب التہذیب: ۱/۱۳۵

(۲) لسان المیزان: ۱/۵۲

(۳) اعلاء السنن: ۷/۷۱

آٹھ رکعت کی حدیث کا جواب

اب ذرا ان لوگوں کی دلیل کا جائزہ بھی لیجیے جو یہ کہتے ہیں کہ تراویح صرف آٹھ رکعت ہے۔ ان لوگوں نے اس پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

« كيف كان صلوة رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في

رمضان؟ »

(رمضان میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نماز کی کیا کیفیت

ہوتی تھی؟)

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

« ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى

عشرة ركعة ، يصلي اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ،

ثم يصلي اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ، ثم يصلي

ثلاثا . » (۱)

(آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رمضان وغیر رمضان میں آٹھ رکعات

سے زائد نہ پڑھتے تھے، چار رکعتیں ایسی پڑھتے کہ ان کی خوب صورتی

اور ان کا طول نہ پوچھو، پھر چار رکعتیں ایسی پڑھتے کہ ان کی خوب

صورتی اور ان کا طول نہ پوچھو، پھر تین رکعت پڑھتے تھے۔)

(۱) البخاري: ۱۸۷۴، مسلم، ۱۲۱۹، ترمذی: ۴۰۷، نسائی: ۱۶۷۹، ابوداؤد: ۱۱۴۳،

اس حدیث سے ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح بھی آٹھ ہی رکعت پڑھتے تھے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ آپ رمضان وغیر رمضان میں آٹھ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے؛ مگر یہ بات صحیح نہیں؛ کیوں کہ خود بخاری و مسلم کی روایات سے اس کے خلاف یہ ثابت ہے کہ آپ تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ (۱)

لہذا بات یہ ہے کہ یہ حدیث درحقیقت تراویح کے بارے میں نہیں ہے؛ بل کہ تہجد کے متعلق ہے، جو آپ اکثر گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی تیرہ بھی پڑھتے تھے، دوسرے یہ دیکھئے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس نماز کا ذکر کیا ہے، جو رمضان وغیر رمضان ہر وقت پڑھی جاتی تھی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ تراویح کی نماز رمضان میں پڑھی جاتی ہے نہ کہ رمضان کے علاوہ دوسرے اوقات میں، لہذا اس حدیث کو رمضان کی خاص نماز تراویح سے کوئی تعلق نہیں، اس کو تراویح کی آٹھ رکعات کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح نہیں۔

اور مؤطا امام مالک میں جو آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ رکعت پڑھانے کا حکم دیا، یہ روایت مضطرب ہے؛ کیوں کہ اس کے متعدد طرق ہیں اور ان میں متعدد باتیں بیان ہوئی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الباری“ میں نقل کیا ہے۔ (۱)

اور یہ کہنا کہ ”یہ مختلف احوال پر محمول ہے“ صحیح نہیں؛ کیوں کہ مخرج ایک ہے، اس میں مختلف احوال کی بات کیسے پیدا ہوگی؟

(۱) البخاری: ۱۰۹۲، مسلم: ۱۲۲۰

(۲) فتح الباری: ۳۵۳/۴، تفصیل کے لیے دیکھئے: ”رکعات تراویح“، از مولانا حبیب الرحمن اعظمی

بہ ہر حال آٹھ رکعت کے بہ جائے بیس رکعت پڑھنا چاہئے؛ تا کہ رسول اللہ
 صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اور صحابہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کے عمل سے موافقت ہو جائے اور نیز امت کا اس
 پر اجماع بھی ہے، اس کے خلاف لازم نہ آئے۔

یہاں ہم نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے کہ یہ موقعہ اس کی تفصیل کا نہیں ہے
 اور ہم نے اس مسئلے پر دوسرے موقعہ پر تفصیل سے لکھا ہے، چنانچہ ہم نے ہمارے
 ایک رسالے ”دلیل نماز“ میں مفصل کلام کیا ہے جو ہم نے مولانا عبدالمتین صاحب
 جوٹا گڑھی کی کتاب ”حدیث نماز“ کے رد میں لکھا ہے۔

اعتکاف - فضائل و احکام

تمہید

اعتکاف اسلامی عبادات میں سے ایک اہم عبادت ہے، اس کا درجہ و مقام بڑا اونچا ہے اور اس کے فضائل بے شمار ہیں؛ لیکن اکثر لوگ اس کی حقیقت سے ناواقف، اس کے فضائل سے بے خبر اور اس کے مسائل و احکام سے نابلد ہیں، اس لیے یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس اہم ترین عبادت اسلام کی حقیقت و اہمیت کو اجاگر اور اس کے فضائل و مسائل کو واضح کیا جائے۔

اعتکاف کی تعریف

اعتکاف کے معنی لغت میں کسی چیز کو لازم پکڑ لینے اور مجبوس ہو جانے کے ہیں، مثلاً کسی نے اپنے رہنے کے لیے کسی خاص مکان کا انتخاب کر کے اس کو لازم پکڑ لیا یا کسی نے تجارت کو اپنا لازمی پیشہ بنا لیا تو یہ لغت میں اعتکاف کہلاتا ہے اور شرعی اصطلاح میں مخصوص عبادت کو مخصوص وقت میں مخصوص شرائط پر مخصوص جگہ میں لازم کر لینے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ (۱)

اور علامہ جرجانی رحمہ اللہ نے اعتکاف کی شرعی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

”وفي الشرع لبث صائم في مسجد جماعة بنية و تفرغ
القلب عن شغل الدنيا و تسليم النفس إلى المولى“
(روزہ دار کائنیت کے ساتھ ایسی مسجد میں قیام کرنا جہاں جماعت

(۱) تفسیر قرطبی: ۲/۳۳۲

ہوتی ہو اور دنیا کے مشاغل سے اپنے دل کو خالی کر لینا اور اپنا نفس مولیٰ کے حوالے کر دینا۔ (۱)

اعتکاف کی ضرورت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں اعتکاف کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بعض اوقات انسان اپنی باطنی سمجھ کی بہ دولت یہ معلوم کر لیتا ہے کہ امور معاش میں اس کے لیے تو غل کرنا (یعنی حد سے زیادہ منہمک ہونا) سخت مضر ہے، اسی طرح اگر اس کے حواس خمسہ (ظاہرہ) بیرونی واقعات کا اثر قبول کرتے رہیں، تو اس سے اس کا آئینہ قلب سخت مکر ہوتا ہے، اس سے خلاصی پانے کی تدبیر اس کو یہ سوجھتی ہے کہ تمام اشغال کو چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں بیٹھ جائے اور اپنے تمام اوقات عزیز کو اللہ عزوجل کی یاد اور اس کی عبادت میں صرف کر لے؛ لیکن اس پر مداومت کرنا اس کو ناممکن نظر آتا ہے، فوراً اس کے ذہن میں اصول آجاتا ہے کہ ”مَا لَا يُدْرِكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ“ کہ جس چیز کو پورے طور پر حاصل نہ کیا جاسکے اس کو پورے طور پر چھوڑنا بھی نہ چاہئے، اس لیے وہ اپنے اشغال سے وقت فرصت نکال کر تدبیر مذکورہ کو جزوی طور پر عمل میں لاتا ہے، اسی کا نام شرع میں اعتکاف ہے۔“ (۲)

(۱) التعریفات للجرجانی: ۴۷

(۲) حجۃ اللہ البالغہ

حاصل یہ ہے کہ دنیوی علائق اور مصروفیات کی وجہ سے انسانی قلب پر جو کدورت و میل آجاتا ہے اور اس کو دھونے اور صاف کرنے کے کی ضرورت ہر صاحب عقل و بصیرت محسوس کرتا ہے، لہذا اس کے لیے ایک آسان تدبیر یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لیے ان دنیوی علائق سے خود کو آزاد کر لیا جائے اور اللہ کی یاد میں خود کو لگایا جائے، اور بہ زبان حال یوں گویا ہوتا ہے کہ اے اللہ! جب تک تو مجھ سے راضی نہ ہوگا میں واپس نہیں لوٹوں گا، اسی کا نام اعتکاف ہے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

”إن مثل المعتكف مثل المحرم ألقى نفسه بين يدي

الرحمن فقال: والله لا أبرح حتى ترحمني“

(اعتکاف کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے احرام پہننے والا حاجی

کہ وہ رحمن کے سامنے اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس

وقت تک نہیں لوٹوں گا جب تک کہ تو مجھ پر رحم نہ کر دے۔) (۱)

اعتکاف کی حکمتیں

اعتکاف کی حکمتیں علمائے بہت سی بیان فرمائی ہیں، من جملہ ان کے یہ بھی ہیں:

(۱) چوں کہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے اس لیے مسجد میں رہنے کی وجہ سے ہر

وقت نماز کا جماعت سے ادا کرنا آسان ہوگا۔

(۲) بہت سی لغو و گناہ کی باتوں سے وہ بچا رہے گا، کیوں کہ مسجد میں وہ کام نہیں

ہو سکتے۔

(۳) ذہنی انتشار و قلبی اضطراب سے محفوظ رہے گا، کیوں کہ یکسوئی کی جگہ میں

(۱) شعب الایمان: ۳/۲۲۶

یکسوئی حاصل ہوا کرتی ہے۔

(۴) سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کو ہر وقت ثواب ملتا رہے گا اور اللہ کا قرب و رضا حاصل ہوگی۔

ایک شبہ کا جواب

بعض لوگ اعتکاف پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیا عبادت ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں بیٹھ جائیں اور اس پر ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں:

”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ“ کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح حدیث میں ”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ“ آیا ہے، اسی طرح حدیث میں اعتکاف کے فضائل بھی وارد ہوئے ہیں، تو تم ایک حدیث کو لیتے ہو اور دوسری کو چھوڑتے ہو؟ اسلام کا اقرار کرنے والا ایسا نہیں کر سکتا، پھر بھی اگر کرتا ہے، تو وہ ہم پر نہیں اسلام پر اعتراض کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ اعتکاف کو رہبانیت قرار دینا بالکل غلط ہے؛ اس لیے کہ رہبانیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنیوی علاقے سے بے تعلق ہو کر رہ جائے اور اعتکاف میں اس طرح نہیں ہوتا؛ بل کہ اس میں ہر طرح کا صحیح تعلق قائم رکھا جاتا ہے۔ ہاں البتہ اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور اس کے در پر رہنے کو اپنے لیے فضیلت کی چیز سمجھا جاتا ہے۔

اعتکاف کی فضیلت

اعتکاف کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، یہاں چند ایک نقل کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا:

”هُوَ يَعْكُفُ الذُّنُوبَ وَيُجْرِي لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ
الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا“

(اعتکاف کرنے والا گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لیے

نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والے کے لیے) (۱)

فائدہ: اس میں اعتکاف کرنے والے کے لیے اتنی نیکیوں کی بشارت سنائی

گئی ہے جتنی کہ کرنے والے کے لیے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتکاف کرنے والا
اعتکاف کی وجہ سے بعض نیک اعمال نہیں کر سکتا، مثلاً مریض کی عیادت، جنازہ میں
شرکت وغیرہ، ایسے اعمال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اعتکاف کرنے والا اگرچہ
عمل نہیں کرتا؛ مگر اس کو اتنا ہی ثواب دیا جاتا ہے جتنا کہ کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ ارشاد بھی نقل کرتے ہیں:

”مَنْ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ

النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقٍ كُلُّ خَنَادِقٍ أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ“

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک دن کا بھی

اعتکاف اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم

کے درمیان تین خندقیں آڑ فرمادیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور

زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے۔) (۲)

(۱) ابن ماجہ: ۱۷۷۱، شعب الایمان: ۳/۲۲۳

(۲) المعجم الاوسط: ۷/۲۲۰، شعب الایمان: ۳/۲۲۳،

(۳) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ اعْتَكَفَ عَشْرًا فِي رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ“

(جو شخص عشرہ رمضان کا اعتکاف کرے، اس کو دو حج اور دو عمرے

کا اجر ہے۔) (۱)

اعتکاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اعتکاف کی اسی فضیلت و اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا

خاص اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ حدیثوں میں آپ کا طرز عمل اس طرح بیان

کیا گیا ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ

الْأَوَّخِرَ مِنْ رَمَضَانَ“

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دس دنوں کا اعتکاف

کرتے تھے۔) (۲)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْوَأَخِرَ

مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوْفَاهُ اللَّهُ“ (۳)

(۱) شعب الایمان: ۳/۲۲۵

(۲) البخاری: ۱۸۸۵، مسلم: ۲۰۰۲، ابو داؤد: ۲۱۰۹، ابن ماجہ: ۱۷۶۳، احمد: ۵۷۹۶

(۳) البخاری: ۱۸۸۶، مسلم: ۲۰۰۶، ترمذی: ۷۲۰، ابو داؤد: ۲۱۰۶، احمد: ۲۳۳۶۲

(اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دنوں کا اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ أَيَّامٍ ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عَشْرِينَ يَوْمًا“ (۱)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن اعتکاف کرتے تھے، لیکن جو آپ کی وفات کا سال تھا تو آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔)

علمائے لکھا ہے کہ آپ نے بیس دن کا اعتکاف اس لیے فرمایا تھا کہ آپ کو منکشف ہو گیا تھا کہ یہ آپ کا آخری رمضان ہے، آپ نے چاہا کہ اعمال خیر میں کثرت کی جائے؛ تاکہ امت کو عمل خیر میں جدوجہد کرنا ظاہر ہو جائے اور بعض نے کہا کہ یہ بیس دن کا اعتکاف اس لیے تھا کہ آپ نے اس سے پہلے سال رمضان میں سفر ہو جانے کی بنا پر اعتکاف نہیں کیا تھا، اس لیے اس سال بیس دن کا اعتکاف دس دن کا اسی سال کا ادائی اور دس دن گزشتہ سال کی قضا کے طور پر کیا تھا۔ بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نظر میں یہ اہم چیز تھی۔

اعتکاف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ“

(۱) البخاری: ۱۹۰۳، ابو داؤد: ۲۱۱۰، ابن ماجہ: ۱۷۵۹، احمد: ۸۰۸۱، دارمی: ۱۷۱۳

مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجَهُ مِنْ
بعده، (۱)

(اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ رمضان کے آخری دنوں کا اعتکاف
کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دیدی، پھر آپ
کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔)

(۲) حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ آخری عشرہ
کا اعتکاف کرتے تھے، حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا نے آپ سے اعتکاف کرنے کی اجازت
چاہی، آپ نے ان کو اجازت دی، تو انہوں نے ایک چادر ڈال لی، جب حضرت
حفصہ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک چادر ڈال لی، پھر جب حضرت زینب رَضِيَ اللهُ عَنْهَا
نے یہ سنا تو انہوں نے ایک چادر ڈال لی، پس جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے
یہ چادریں دیکھی تو کہا یہ کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ کیا ہے۔ (آپ نے اس کو منع
کر دیا کہ دکھاوا ہوگا)۔ (۲)

اس سے حضرات صحابہ کا اعتکاف کے لیے جدوجہد، شوق معلوم ہوتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اوپر کی تقریر سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ میں سے ازواج
مطہرات اعتکاف کیا کرتی تھیں اور اس کا بڑا ان کو شوق و جذبہ بھی تھا، یہی حال وہ
دوسرے اور صحابہ کا بھی ہے، مگر حضرت امام مالک رَحِمَهُ اللهُ سے منقول ہے کہ انہوں
نے فرمایا کہ میں نے اعتکاف کے بارے میں غور کیا اور اس میں بھی کہ صحابہ نے اس

(۱) البخاری: ۱۸۸۶، مسلم: ۲۰۰۶، ابو داؤد: ۲۱۰۶، احمد: ۲۳۴۶۲

(۲) البخاری: ۱۹۰۰، مسلم: ۲۰۰۷، نسائی: ۷۰۲، ابو داؤد: ۲۱۰۸، ابن ماجہ: ۱۷۶۱، احمد: ۲۳۴۰۴

کو کیوں ترک کر دیا تھا جب کہ وہ لوگ شدت کے ساتھ اتباع سنت کرتے تھے، پس میرے جی میں یہ بات آئی کہ یہ صوم وصال کی طرح ہے اور صحابہ نے اس کو سخت ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا تھا۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ نے اس سنت کو اپنایا نہیں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے غالباً کسی خاص طریقہ پر اعتکاف کرنے کے بارے میں یہ بات فرمائی ہوگی، ورنہ حضرات صحابہ سے روایات میں اعتکاف کرنا منقول ہے۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں کہا کہ ہم سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اعتکاف کرنا بیان کیا گیا ہے۔ (۱)

اعتکاف کی قسمیں

جاننا چاہیے کہ علمائے احناف کے نزدیک اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) واجب (۲) سنت موکدہ (۳) مستحب۔

(۱) اعتکاف صرف اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ اس کی نذر کی جائے، جیسے کسی نے کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے، تو میں اتنے دن اعتکاف کروں گا یا ویسے ہی کہا کہ میں اتنے دن اعتکاف کروں گا، تو یہ اعتکاف واجب ہوتا ہے۔

(۲) سنت موکدہ وہ رمضان میں اخیر عشرہ کا اعتکاف ہے، اس عشرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالالتزام اعتکاف کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(۳) مستحب وہ اعتکاف ہے جو نذر اور رمضان کے اخیر عشرہ کے سوا کسی بھی

وقت کیا جائے۔ (۲)

(۱) فتح الباری: ۲/۲۷۲

(۲) البحر الرائق: ۲/۳۲۲، در مختار مع شامی: ۲/۴۴۱

اعتکاف کے احکام و مسائل

اعتکاف کے احکام و مسائل بہت سے ہیں، ہم یہاں ان میں سے چند ضروری اور اہم مسائل بیان کرتے ہیں، تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔
اعتکاف کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مرد مسجد میں ٹھہرے، خواہ اس مسجد میں پانچوں وقت نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور بعض فقہانے مسجد جماعت ہونا شرط قرار دیا ہے اور بعض نے یہ کہا کہ اعتکاف صرف اس مسجد میں جائز ہے جہاں جمعہ ہوتا ہو؛ مگر اول قول پر ہی فتویٰ ہے۔ ہاں! عورت اپنے گھر میں ایک جگہ مقرر کر لے اور اسی میں اعتکاف کرے۔ (۱)

(۲) دوسری یہ کہ اعتکاف کی نیت سے ٹھہرے، اگر بغیر ارادہ و نیت مسجد میں ٹھہر جائے، تو یہ اعتکاف نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کی شرط نہیں پائی گئی۔ (۲)

(۳) تیسری یہ کہ اعتکاف کرنے والا مرد جنابت سے پاک ہو اور عورت ہو، تو حیض و نفاس اور جنابت سے پاک و خالی ہو۔

مگر اس مسئلے کی ذرا تفصیل ہے اس کو یہاں عرض کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ جس اعتکاف میں روزہ شرط ہے اس میں حیض و نفاس سے خالی ہونا شرط صحت ہے، یعنی اگر حیض و نفاس جاری ہو، تو یہ اعتکاف صحیح نہیں ہوتا اور جس اعتکاف میں روزہ شرط نہیں اس میں حیض و نفاس سے خالی ہونا شرط صحت تو نہیں ہے، شرط حلت ہے، یعنی اگر حیض و نفاس جاری ہو، تو اعتکاف صحیح تو ہو جاتا ہے، البتہ ایسا کرنا حلال و جائز نہیں،

(۱) البحر الرائق: ۲/۳۲۲ در مختار مع شامی: ۲/۴۲۰

(۲) در مختار مع شامی: ۲/۴۲۱، البحر الرائق: ۲/۳۲۲

اور حیض و نفاس سے اور جنابت سے پاک ہونا کسی اعتکاف کے لیے بھی شرط صحت نہیں، یعنی حیض و نفاس و جنابت کا غسل کر کے پاک ہونا شرط صحت نہیں ہے؛ بل کہ شرط حلت ہے۔ (۱)

سب سے افضل وہ اعتکاف ہے جو مسجد حرام میں کیا جائے، پھر وہ جو مسجد نبوی میں کیا جائے، پھر وہ جو مسجد اقصیٰ میں ہو، اس کے بعد جامع مسجد میں، پھر محلہ کی مسجد میں اور عورتیں اپنے گھر میں کسی جگہ مسجد بنالیں اور اسی میں اعتکاف کریں۔ (۲)

نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور اعتکاف مسنون میں روزہ شرط ہے یا نہیں؟ اس میں ابن نجیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں روزہ شرط نہیں؛ مگر شامی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور روزہ کو اس میں بھی شرط قرار دیا ہے، لہذا اگر کوئی بیماری کی وجہ سے روزہ نہ سکے، تو وہ ابن نجیم کی رائے کے مطابق اعتکاف بغیر روزہ کے کر سکتا ہے اور شامی کی رائے کے مطابق یہ اعتکاف مسنون نہیں کر سکتا، ہاں! اس کو نقل اعتکاف کا ثواب مل جائے گا اور اعتکاف مستحب میں روزہ شرط نہیں ہے۔ (۳)

اعتکاف واجب کم سے کم ایک دن کا ہوتا ہے اور زیادہ جس قدر نیت کرے اور اعتکاف مسنون ایک عشرہ کا۔ جو رمضان کی اکیسویں شب سے شروع ہو کر عید کا چاند نظر آنے تک ہے۔ ہوتا ہے اور اعتکاف مستحب کے لیے کوئی مقدار نہیں، وہ ایک منٹ کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ (۴)

(۱) در مختار مع شامی: ۲/۴۲۱، البحر الرائق: ۴/۳۲۲

(۲) البحر الرائق: ۲/۳۲۲، شامی: ۴/۴۲۱

(۳) البحر الرائق: ۲/۳۲۳، شامی: ۴/۴۲۲

(۴) در مختار مع شامی: ۲/۴۲۳، البحر الرائق: ۴/۳۲۲

اعتکاف میں ممنوع اعمال

اعتکاف میں دو قسم کی باتیں حرام ہیں، یعنی اگر اعتکاف واجب ہے یا سنت تو ان کے ارتکاب سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس کی پھر قضا کرنا ہوگا اور اگر اعتکاف مستحب تھا تو ختم ہو جائے گا۔

(۱) معتکف (اعتکاف کی جگہ) سے بے ضرورت باہر نکلنا خواہ عمدہ ہو یا بھول کر ہو۔

(۲) جماع وغیرہ کرنا خواہ قصداً کیا جائے یا بھول کر۔

ان دونوں کے متعلق بعض تفصیلات ہیں، ان کو ہم نیچے درج کرتے ہیں:

(۱) اعتکاف کی جگہ سے باہر نکلنے سے اعتکاف اس وقت فاسد ہوگا جب کہ یہ نکلنا بلا ضرورت ہو، اور اگر ضرورت ہو تو نہیں ٹوٹے گا اور ضرورت عام ہے خواہ طبعی ہو یا شرعی، جیسے پیشاب، پاخانہ، غسل جنابت اور کھانا لانے والا نہ ہو، تو کھانے کے لیے اور شرعی ضرورت جیسے جمعہ یا عیدین کی نماز کے لیے جانا۔ (۱)

(۲) اگر ضرورت سے باہر جانا ہو، تو ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد فوراً واپس آجائے۔ (۲)

(۳) مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لیے بھی باہر نکلنا درست نہیں، البتہ کسی ضرورت سے نکلا تھا، راستہ میں مریض کی عیادت کر لیا یا نماز جنازہ میں شریک ہو جائے تو مضا اُفقہ نہیں۔ (۳)

(۱) در مختار مع شامی: ۲/۲۳۵، البحر الرائق: ۲/۳۲۵، الولو الجیہ: ۱/۲۴۱

(۲) در مختار مع شامی: ۲/۲۳۷، البحر الرائق: ۲/۳۲۵

(۳) البحر الرائق: ۲/۳۲۵، الولو الجیہ: ۱/۲۴۱

(۴) اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے تب بھی اس کا اعتکاف نہ رہے گا۔

(۵) جماع کرنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا، خواہ بھول کر کیا ہو یا قصداً، اسی طرح مسجد میں کیا ہو یا مسجد کے باہر۔ (۱)

(۶) جو کام غالباً جماع کا باعث ہوتے ہیں جیسے بوسہ لینا، وغیرہ تو یہ بھی اعتکاف میں ناجائز ہو جاتے ہیں؛ مگر ان سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، البتہ ان چیزوں سے منی نکل جائے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (۲)

مکروہات اعتکاف

(۱) اعتکاف میں بے ضرورت کسی دنیوی کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے، مثلاً بے ضرورت خرید و فروخت کرنا وغیرہ، ہاں! اگر کوئی کام نہایت ضروری ہو اور گھر میں کوئی دوسرا نہ ہو، تو ایسی ضرورت میں دنیوی کام بھی کر سکتا ہے۔ (۳)

(۲) حالت اعتکاف میں خاموش بیٹھنا کوئی عبادت نہیں، خاموشی کو عبادت سمجھ کر خاموش بیٹھنا مکروہ ہے؛ بل کہ کوئی عبادت یا مباح کام یا کلام کرنا درست ہے۔ (۴)

(۳) خرید و فروخت کا سامان مسجد میں لانا بھی مکروہ ہے، اگرچہ ضرورت کے لیے اعتکاف کرنے والے کو خریدنے بیچنے کی اجازت ہے۔ (۵)

(۱) در مختار مع شامی: ۲/۴۵۰، البحر الرائق: ۲/۳۲۸

(۲) در مختار مع شامی: ۲/۴۵۰، البحر الرائق: ۲/۳۲۵

(۳) در مختار مع شامی: ۲/۴۳۹، البحر الرائق: ۲/۳۲۵

(۴) در مختار مع شامی: ۲/۴۳۹، البحر الرائق: ۲/۳۲۵

(۵) در مختار مع شامی: ۲/۴۳۹، البحر الرائق: ۲/۳۲۷

متنبیہ

یاد رہے کہ مسجد صرف اس حصہ کو کہتے ہیں جو نماز پڑھنے کے لیے بنایا گیا ہو، خواہ وہاں چھت ہو یا نہ ہو، خواہ وہاں نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اور اس حصے کے علاوہ جو جگہ مسجد کے اطراف و اکناف میں ہوتی ہے، وہ مسجد میں داخل نہیں اور اس جگہ جا کر بلا ضرورت بیٹھنے اٹھنے سے بھی؛ بل کہ محض اس جگہ جانے سے بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

تلاوتِ قرآن

رمضان سے خصوصیت سے تعلق رکھنے والے اعمال میں سے ایک قرآن پاک کی تلاوت بھی ہے، وجہ یہ ہے کہ رمضان مبارک کا مہینہ دراصل قرآن کے نزول کا مہینہ بھی ہے۔

جیسا کہ قرآن نے خود ہی کہا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البَقَرَة: ۱۸۵)

(کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔)

اس لیے گویا یہ مہینہ قرآن کی ولادت کا مہینہ ہے؛ اس لیے اس ماہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تلاوت کرنا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات سے زیادہ رمضان میں سخی ہو جاتے تھے، جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملتے تھے، یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قرآن سنایا کرتے تھے۔ غرض جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے، تو آپ تیز ہوا سے بھی زیادہ نیکی میں سخی ہو جاتے تھے۔ (۱)

اور ابن ماجہ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک

(۱) بخاری: ۱۷۶۹، مسلم: ۴۲۶۸، نسائی: ۲۰۶۸، احمد: ۳۲۵۰، ابن خزیمہ: ۱۹۳/۳،

ابن حبان: ۲۲۵/۸

مرتبہ جبرئیل عَلَیْهِ السَّلَامُ کو قرآن سناتے تھے؛ لیکن اس سال جس میں آپ نے وفات پائی، آپ نے دو مرتبہ قرآن سنایا۔ (۱)

بہر حال رمضان میں چاہیے کہ ہم کثرت کے ساتھ تلاوت کلام اللہ کیا کریں۔ حضرات اولیاء اللہ کے یہاں بھی یہ معمول ہے کہ وہ رمضان میں اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رَحْمَةُ اللهِ كَامِعْمُولِ تَحَا کہ رمضان میں روزانہ ایک قرآن اور کچھ پارے پڑھ لیا کرتے تھے اور پورے رمضان میں چالیس قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

مگر یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تلاوت اس کے آداب کے ساتھ کرنا ضروری ہے اور اس کے آداب بہت ہیں، مختصراً چند اہم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) وضو کے ساتھ باادب و احترام تلاوت کرے۔

(۲) خشوع و اخلاص کے ساتھ تلاوت کرے۔

(۳) قرآن کو صحیح پڑھنے کا اہتمام کرے، (اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی عالم

وقاری سے سیکھے)

(۴) قرآن میں غور و فکر کرتے ہوئے پڑھے، غفلت کے ساتھ نہ پڑھے۔

(۵) یہ سوچتے ہوئے پڑھے کہ اللہ تعالیٰ میرا یہ پڑھنا سنتے ہیں، اس سے اللہ کی

طرف دھیان رہے گا اور غفلت دور ہوگی۔

(۶) عذاب کی آیتوں پر رو کر پناہ مانگے اور ثواب و بشارت کی آیتوں پر خوش ہو کر

اللہ سے مانگے۔

(۷) سجدے کی آیت آئے تو سجدہ کرے۔

- (۸) تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ وبسم اللہ پڑھے۔
 (۹) اگر ریا کا اندیشہ نہ ہو، تو زور سے پڑھے ورنہ آہستہ۔
 (۱۰) قرآن کو اچھی آواز سے اچھے لہجے میں پڑھے، بھونڈے انداز سے نہ پڑھے۔

عبادات میں کثرت

رمضان کی ایک سنت یہ ہے کہ اس میں ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں اضافہ کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اوپر بہ حوالہ ابن خزیمہ و بیہقی یہ حدیث ہم نے ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهُ حَتَّى يَنْسَلِخَ. »
 (جب رمضان داخل ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازار کو سخت باندھتے، پھر جب تک رمضان گزر نہ جاتا آپ بستر پر نہ آتے تھے۔)

اسی طرح یہ حدیث بھی ہم نے بہ حوالہ شعب الایمان اوپر ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

« إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَ كَثُرَتْ صَلَوَاتُهُ وَ ابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَأَشْفَقَ مِنْهُ. »

(جب رمضان آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا اور آپ کی نماز زیادہ ہو جاتی اور آپ دعا میں گڑگڑاتے اور رمضان کی حرص کرتے۔)

نیز حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرات تو ہمیشہ ہی کرتے تھے؛ مگر رمضان میں اس کثرت کے ساتھ کرتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ رمضان میں اللہ کی طرف سے جو رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں، ان سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ (۱)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے رحمت کی ہوا ہر اچھے اور برے سب پر یکساں چلتی اور ان کو فائدہ دیتی ہے، اسی طرح آپ بھی ہر کس و ناکس کو اپنی سخاوت سے فیض یاب کرتے تھے۔

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خبر دے کر کہ رمضان میں ایک فرض ستر فرضوں کے برابر اور نفل فرض کے برابر ثواب کا مستحق ہوتا ہے، رمضان میں نیکی میں اضافے کی طرف ترغیب دی ہے۔

پھر احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان مبارک کا ورود مسعود ہی اس لیے ہوتا ہے کہ اس میں نیکی کر کے آدمی اپنی مغفرت کا سامان تیار کر لے، چنانچہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ، وہ کہتے ہیں کہ ہم منبر کے قریب ہو گئے، جب آپ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو آمین کہا جب دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو آمین کہا اور جب تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو آمین کہا، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آپ منبر سے بعد خطبہ اترے تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج ہم نے آپ سے ایک ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت

(۱) بخاری: ۱۷۶۹، مسلم: ۲۲۶۸، نسائی: ۲۰۶۸، احمد: ۳۲۵۰، ابن خزیمہ: ۱۹۳/۳،

ابن حبان: ۲۲۵/۸

جبرئیل عَلَیْهِ السَّلَامُ میرے سامنے آئے اور انہوں نے کہا کہ وہ شخص خیر سے محروم ہو جائے جس نے رمضان کو پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہیں ہوئی، اس پر میں نے آمین کہی، اور جب میں نے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ وہ شخص خیر سے محروم ہو جائے جس کے سامنے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، اس پر میں نے آمین کہی، اور جب میں نے تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ وہ شخص خیر سے محروم ہو جائے جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو ان کے بڑھاپے میں پائے پھر بھی وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، اس پر میں نے آمین کہی۔ (۱)

الغرض ہر نیکی رمضان میں کثرت کے ساتھ ہونا چاہئے؛ تاکہ مغفرت کا سامان بن جائے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے رمضان ہمیں عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے اس سلسلہ میں اس رسالے کی ابتدا میں احادیث نقل کر دی ہیں، ان کو دوبارہ پڑھ لیا جائے۔

لیلۃ القدر کا بیان

ماہ رمضان المبارک میں ایک رات آتی ہے جسے قرآن کریم نے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے اور اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ اس رات کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ رمضان میں آتی ہے اور یہ کہ قرآن نے اس کا ذکر بڑے اونچے الفاظ میں کیا ہے اور اس کو ایک ہزار مہینوں سے افضل و بہتر قرار دیا ہے۔

(۱) مستدرک: ۱۷۰/۳، معجم کبیر: ۱۴۴/۱۹، شعب الایمان: ۲/۲۱۵، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

چناں چہ فرمایا گیا:

﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ . وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ . تَنزِيلُ الْمَلَكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ . سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴾

(القَدْزُ: ۳۰)

(ہم نے اس (قرآن) کو اتار لیلۃ القدر میں اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس (رات) میں فرشتے اور روح (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں ہر کام پر، سلامتی ہے یہ رات صبح کے نکلنے تک۔)

یہاں چند اہم امور کی طرف نشان دہی کی جاتی ہے، جن کا تعلق لیلۃ القدر سے ہے: (۱) حضرات مفسرین نے اس کی شان نزول میں متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کا یہ عطیہ امت محمدیہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ خاص ہے، کسی اور امت کو اس سے مشرف نہیں کیا گیا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابن ابی حاتم نے حضرت علی و عروۃ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ایک دن بنی اسرائیل کے بزرگوں کا ذکر کیا، جنہوں نے اسی برس تک اللہ کی اس طرح عبادت کی کہ پلک جھپکنے کے برابر بھی کوئی گناہ نہیں کیا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ان چاروں کا نام بتایا کہ وہ حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل بن العجوز اور حضرت یوشع بن نون عَلَیْہِمُ السَّلَامُ تھے، اس پر حضرات صحابہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کو تعجب ہوا، اس کے بعد حضرت جبرئیل رَضِیَ اللہُ عَنْہُ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ آپ کی امت ان افراد کی عبادت پر تعجب کر رہی ہے کہ انہوں نے

اسی برس عبادت کی، اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس سے بھی بہتر چیز نازل کی ہے، پھر سورہ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ پڑھی، پھر فرمایا کہ یہ لیلۃ القدر اس سے افضل ہے جس پر آپ نے اور آپ کی امت نے تعجب کیا تھا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ (۱)

یہ عظیم و مبارک رات کب آتی ہے؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس بارے میں چھیالیس (۴۶) اقوال اور ان کے دلائل کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، جمہور علمائے اس سلسلہ میں جو فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے، اور اس میں بھی طاق راتوں میں ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

« تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر والاولا و اخر من

رمضان. » (۲)

” لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔“

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

« التمسوها فی العشر والاولا و اخر من رمضان لیلۃ القدر

فی تاسعة تبقی فی سابعة تبقی فی خامسة تبقی. » (۳)

(لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو، وہ نویں رات

(۱) درمنثور: ۸/۵۶۸، روح المعانی: ۳۰/۲۲۲، قرطبی: ۲۰/۱۳۲

(۲) بخاری: ۱۸۷۸، مسلم: ۱۹۹۸، ترمذی: ۷۲۳، احمد: ۲۳۱۵۷

(۳) بخاری: ۱۸۸۱، ابوداؤد: ۱۱۷۳، احمد: ۱۹۴۸

میں جو بیچ جائے، ساتویں رات میں جو بیچ جائے، پانچویں رات میں
جو بیچ جائے نویں دن.....“۔)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی
ہے کہ لیلة القدر آخری عشرہ رمضان میں آتی ہے، نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آخری عشرہ
میں بھی وتر یعنی طاق راتوں میں زیادہ امکان ہے۔

پھر بعض روایات میں ستائیس رمضان کی شب میں لیلة القدر ہونے کا ذکر بھی آیا
ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لیلة القدر کے بارے میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

« لیلة القدر لیلة سبع وعشرین. » (۱)

(لیلة القدر ستائیسویں شب ہے۔)

اسی طرح بعض صحابہ سے بھی مروی ہے، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ جانتے ہیں کہ لیلة القدر رمضان میں
ہوتی ہے اور رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے اور یہ کہ وہ ستائیسویں رات میں ہوتی
ہے، پھر خود قسم کھا کر فرمایا کہ وہ بلا استثنا و بلا تحلف ستائیسویں میں ہوتی ہے۔ (۲)
مگر چوں کہ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ستائیسویں ہی میں یہ متعین نہیں
ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بخاری میں ایک قول ستائیسویں کا اور دوسرا
چوہیسویں کا مروی ہے، پھر علمائے ان کے اقوال کی توجیہ و تطبیق میں بھی لمبا کلام کیا
ہے، پھر مسلم میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے دیکھا کہ لیلة القدر ستائیسویں میں ہے،

(۱) ابو داؤد: ۱۱۷۸ (اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

(۲) مسلم: ۱۲۷۲، ابو داؤد: ۱۱۷۰۱، ترمذی: ۷۲۳

اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی تمہاری طرح دکھایا گیا ہے، لہذا تم آخری عشرہ میں سے طاق راتوں میں اس کو تلاش کرو۔ (۱)

اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ تسلیم کر کے کہ ستائیسویں میں لیلۃ القدر ہوئی، پھر بھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ معلوم ہو کہ دوسری راتوں میں ہونے کا بھی امکان ہے، لہذا آخری عشرہ میں تلاش جاری رکھنا چاہئے۔

(۳) روایات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس عطیہ خداوندی سے مقصود یہ ہے کہ امت محمدیہ اس رات محض اللہ کی عبادت و اطاعت میں لگی رہے اور ایک رات کے اس عمل سے کچھلی اُمتوں کے ان حضرات کا ثواب حاصل کر لے جنہوں نے اسی عمل سے برس اللہ کی عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کی ترغیبات و تلقینات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس رات اللہ کی عبادت میں اشتغال و انہماک ہونا چاہئے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من

ذنبه. » (۲)

جو شخص لیلۃ القدر میں قیام کرے گا ایمان کے ساتھ اور ثواب کی

نیت سے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر میں قیام یعنی نماز، سب سے افضل عبادت ہے؛

(۱) مسلم: ۱۹۸۷

(۲) بخاری: ۳۳، مسلم: ۱۲۶۸، ترمذی: ۶۱۹، نسائی: ۳۱۷۳، ابوداؤد: ۱۱۶۵، احمد: ۶۹۷۹

لیکن اگر کوئی دوسری عبادت میں بھی لگا رہے تو بھی مضائقہ نہیں۔

اس حدیث سے لیلۃ القدر میں عبادت و اطاعت کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ رغبت اسی لیے دلائی جاتی ہے کہ یہ کام اس موقع پر کرنے کا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عبادت و اطاعت کی رات ہے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں لیلۃ القدر کو پاؤں تو اس میں کیا کہوں؟ فرمایا کہ یہ دعا کرو:

« اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تَحِبُّ الْعَفْوَ فَاَعْفُ عَنَّا. » (۱)

اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، لہذا ہم کو

معاف فرما۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر میں ایک کام اللہ سے دعا مانگنا بھی ہے، جس میں عاجزی و انکساری، انابت و توجہ الی اللہ کے عناصر شامل ہوں، ان مقاصد کے لیے ہمیں لیلۃ القدر عطا فرمائی گئی ہے۔

(۴) اس رات میں عبادت کرنے سے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا اس کو ملتا ہے جو ہزار ماہ عبادت کرتا رہا۔ ایک ہزار مہینے کے ۸۳ برس اور چار ماہ ہوتے ہیں؛ مگر معلوم ہونا چاہئے کہ اس رات میں جس طرح نیکی کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، گناہ پر عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے، بعض لوگ اس رات میں تفریح و ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ پوری رات خرید و فروخت کر کے گزار دیتے ہیں، یہ بڑی بری بات ہے۔

(۵) غنیۃ الطالبین میں ایک لمبی حدیث نقل کی گئی ہے:

(۱) ترمذی: ۳۴۳۵، ابن ماجہ: ۳۸۴۰، احمد: ۲۴۲۱۵

لیلۃ القدر میں اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل عَلَیْهِ السَّلَامُ سدرۃ المنتہی کے ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ زمین پر آتے ہیں اور ان سب کے ہاتھوں میں نور کی جھنڈیاں ہوتی ہیں یہ فرشتے ان جھنڈیوں کو چار مقامات پر گاڑ دیتے ہیں، کعبۃ اللہ کے پاس، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی قبر کے پاس، بیت المقدس کے پاس اور کوہ طور کے پاس، پھر حضرت جبرئیل عَلَیْهِ السَّلَامُ حکم دیتے ہیں کہ زمین پر منتشر ہو جاؤ، پس یہ فرشتے منتشر ہو جاتے ہیں اور ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ کوئی گھر کوئی پتھر، کوئی کشتی نہیں چھوڑتے جہاں کوئی مومن بندہ یا مومنہ بندی ہو۔ سب جگہ چلے جاتے ہیں؛ مگر اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا خنزیر ہو، یا شراب ہو یا زنا کر کے کوئی ناپاک آدمی ہو یا جان دار کی تصویر ہو، یہ فرشتے اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے اور امت محمدیہ کے لیے استغفار کرتے ہیں، جب صبح ہو جاتی ہے تو آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں، (پھر آگے چل کر ہے) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے امت محمدیہ کے لیے میرے پاس ایسی چیزیں رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس کا خطرہ گذرا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں جہاں ہوتی ہیں وہاں فرشتے نہیں آتے، اور اس عظیم رات میں بھی وہ گھر جہاں یہ چیزیں ہوں فرشتوں سے محروم ہوتا ہے اور وہاں کے لوگ ان کی دعاؤں سے محروم ہوتے ہیں۔

(۱) بہ حوالہ روح المعانی: ۳۰/۲۲۵

عید و صدقہ فطر

رمضان کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہل اسلام کو ”عید الفطر“ کے عظیم و خصوصی تحفہ و عطیہ سے نوازا جاتا ہے، جو درحقیقت ان کے رمضان کے روزوں اور دیگر عبادات کے انعام کے طور پر ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

”جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں اور فرشتے اتر کر تمام گلیوں اور راستوں پر کھڑے ہو جاتے اور پکار کر کہتے ہیں کہ اے امتِ محمدیہ! اس کریم رب کی درگاہ کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے بڑے قصور معاف فرما دینے والا ہے، پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے پورا کام کیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی پوری مزدوری دے دی جائے، اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے رمضان کے روزے اور تراویح کے بدلہ ان لوگوں کو اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی، پھر آخر حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے فرماتے ہیں کہ اب تم بخشے بخشائے لوٹ جاؤ، میں تم سے راضی ہو گیا“۔ (۱)

ایک اور حدیث میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں کے نزدیک دو دن ایسے

(۱) مشکاة المصابیح: ۱۸۱، شعب الایمان: ۳۳۵/۳

تھے جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے، آپ نے ان سے معلوم کیا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان دونوں میں ہم زمانہ جاہلیت سے کھیلتے آرہے ہیں، (یعنی عید مناتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا:

«إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منها يوم الاضحى ويوم

الفطر.» (۱)

(اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان دونوں کے بدلہ ان سے بہتر دو

دن عطا عطا کئے ہیں، یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر۔)

اس سے معلوم ہوا کہ غیروں کی عید میں اور ہماری عید میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ہماری عید اللہ کی جانب سے مقرر کی ہوئی ہے، اور غیروں کی عید ان کی اپنی ایجاد ہے۔

عید کے چند احکام و آداب

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید

کے دن لال چادر پہنتے تھے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن زینت و تجمل کا اختیار کرنا سنت ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن لال چادر کا اہتمام فرماتے تھے، اور اس لال چادر سے مراد ایسی چادر ہے جس میں لال لال دھاریاں ہوں، پوری لال اس سے مراد نہیں ہے جیسا کہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں بیان فرمایا ہے۔

بہر حال حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ عید کے دن زیب و زینت کا اہتمام کرنا

(۱) ابوداؤد: ۱/۱۶۱، نسائی: ۱/۲۳۱، اس کی سند صحیح ہے، بلوغ المرام: ۳۵

(۲) مجمع الزوائد: ۱/۲۲۱

چاہئے؛ مگر اس میں غلو نہ کرے کہ صرف کپڑوں اور جوتوں کی فکر میں پڑا رہے؛ بل کہ اپنے کپڑوں میں سے جو عمدہ ہیں ان کو استعمال کرے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول امام بیہقی نے بہ سند صحیح نقل کیا ہے کہ وہ عیدین میں اپنے سب سے عمدہ و بہتر کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ (۱)

(۲) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر و عید الاضحیٰ میں غسل فرمایا کرتے تھے۔ (۲)

اور حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر و عید الاضحیٰ اور عرفہ کے دنوں میں غسل فرمایا کرتے تھے۔ (۳)

فقہائے کرام نے بھی لکھا ہے کہ عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے، اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن غسل فرماتے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح جمعہ کے دن اجتماع ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے احادیث میں غسل کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح عید میں بھی اجتماع ہوتا ہے تو عید کے دن بھی اس کی بنا پر پاکی صفائی کا اہتمام پسندیدہ ہے۔ (۴)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نہیں جاتے تھے جب تک کہ کھجور نہ کھاتے تھے۔ (۵)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر

(۱) فتح الباری: ۲/۴۳۹

(۲) ابن ماجہ: ۱۳۰۵

(۳) ابن ماجہ: ۱۳۰۶، احمد: ۱۶۱۲۱

(۴) قالہ صاحب الہدایہ: ۱/۱۵۳

(۵) بخاری: ۹۰۰، ترمذی: ۲۹۸، ابن ماجہ: ۴۴، احمد: ۱۱۸۲۰

کے دن نہیں نکلتے تھے جب تک کہ نہ کھالیتے اور عید الاضحیٰ میں کھاتے نہیں تھے جب تک کہ عید کی نماز نہ پڑھ لیتے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے قبل کچھ کھالینا سنت ہے، بہتر یہ ہے کہ کھجور کھائیں اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ تین، پانچ یا سات کھجور کھاتے تھے یا اس سے کم یا زیادہ؛ مگر طاق عدد استعمال فرماتے تھے۔ (۲)

لہذا طاق عدد کھجور استعمال کئے جائیں اور بعض علمائے مطلق میٹھی چیز کو مستحب قرار دیا ہے، ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض تابعین نے کسی بھی میٹھی چیز جیسے شہد کھانے کو پسند کیا ہے، اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن قرۃ اور ابن سیرین وغیرہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ (۳)

اور عید الفطر میں کھا کر جانے کی حکمت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ عید کی نماز تک روزہ لازم ہے، اور بعض نے یہ فرمایا کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ روزوں کے بعد جب عید کے دن روزہ نہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا تو یہ بات مستحب قرار پائی کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہوئے کچھ کھالے۔ (واللہ اعلم)

انتباہ: عید الفطر کی صبح عوام میں سویاں (شیر خورما) پکانے کا رواج ہے، اس کو ضروری خیال کرنا، اور عید کے دن اس کی تخصیص والتزام کرنا غلط ہے، حدیث سے تو کھجور کا ثبوت خصوصیت کے ساتھ ملتا ہے، اگر میسر نہ آئے تو کسی اور میٹھی چیز کو استعمال

(۱) احمد: ۱۱۸۲۰، ترمذی: ۲۹۷، ابن ماجہ: ۱۷۲۶

(۲) فتح الباری: ۲/۲۴۷

(۳) فتح الباری: ۲/۲۴۷

کیا جاسکتا ہے خواہ وہ شیر خور ماہویا کچھ اور؛ مگر شیر خور ماہی کو مخصوص طور پر اہتمام و التزام کے ساتھ پکانا من گھڑت بات ہے، احقر نے اس مسئلہ پر اپنے رسالہ ”منکرات رمضان“ میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔

(۴) حضرت زہری سے مرسل روایت ہے کہ نبی کریم عید الفطر میں نکلتے تھے اور اپنے گھر سے نکلنے کے وقت سے پہلے عید گاہ جانے تک تکبیر پڑھتے تھے۔ (۱)
 ائمہ احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ عید گاہ کے راستے میں تکبیر کہتے ہوئے جانا چاہئے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی یہی تھا جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بہ روایت دارقطنی و بیہقی نقل فرمایا ہے۔ (۲)

(۵) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ لوگوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لے گئے عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا موقعہ تھا، امام نے تاخیر کر دی، تو فرمایا کہ ہم تو اس وقت تک فارغ ہو جایا کرتے تھے، اور یہ تسبیح (یعنی نفل نماز) کا وقت تھا۔ (۳)
 علما نے لکھا ہے کہ عید الاضحیٰ میں عید الفطر کی بہ نسبت جلدی جانا چاہیے، عید الفطر میں اس وقت جائے جب کہ سورج دو نیزے کی بہ قدر بلند ہو جائے اور عید الاضحیٰ میں اس وقت جب کہ سورج ایک نیزہ بلند ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے علاقوں میں جو عام طور پر عید الفطر کی نماز بہت تاخیر سے پڑھتے ہیں، یہ اچھا نہیں ہے اور عید الاضحیٰ کو تاخیر سے پڑھنا تو اور بُرا ہے۔
 (۶) اصحاب صحاح اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

(۱) تلخیص الحبیر: ۱/۴۳

(۲) الدرایہ مع الہدایہ: ۱/۱۵۳

(۳) ابو داؤد: ۵۰۹۶، ابن ماجہ: ۱۳۰۷

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو رکعتیں (عید کی)

پڑھیں اور ان سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھی اور نہ بعد میں پڑھی“۔ (۱)
اس سے معلوم ہوا کہ عید گاہ میں صرف دو رکعت عید کی نماز پڑھی جائے گی، کوئی اور نماز نہ اس سے پہلے ہے نہ اس کے بعد۔

(۷) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے تھے الخ۔ (۲)
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے عید گاہ جانے کے استحباب پر استدلال کیا گیا ہے، اور اس پر کہ عید کی نماز عید گاہ میں جا کر پڑھنا، مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ (۳)

البتہ کوئی عذر ہو تو مسجد میں بھی عید کی نماز ادا کی جاسکتی ہے جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ایک دفعہ بارش ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔ (۴)

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ عید کے لیے پیدل جائے اور جانے سے پہلے کچھ کھالے۔ (۵)

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی روایت ہے

(۱) بلوغ المرام: ۳۵

(۲) بخاری: ۱۳۶۹، نسائی: ۱۵۵۸

(۳) فتح الباری: ۲/۲۵۰

(۴) ابوداؤد: ۹۸۰، ابن ماجہ: ۱۳۰۳

(۵) ترمذی: ۲۸۷

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے لیے پیدل جایا کرتے تھے۔ (۱)
 (۹) حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کو ایک راستہ سے
 جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس ہوتے۔ (۲)

اس میں کیا حکمت ہے؟ ابن حجر رحمہ اللہ نے علما سے بیس سے زائد اقوال اس
 سلسلہ میں ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہل اسلام کی شان و شوکت بتانے
 کے لیے ایسا فرمایا کہ لوگ جب دیکھیں گے کہ مسلمان ادھر کے راستہ پر بھی تھے، اب
 یہاں بھی ہیں تو کثرت سے مرعوب ہوں گے، ایک حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ راستہ
 گواہ بن جائے، جہاں جہاں سے اللہ کے لیے گزرنا ہوگا وہ راستہ چلنے والے کے حق
 میں گواہی دے گا۔ (واللہ اعلم)

(۱۰) ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت جبیر بن نفیر سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام
 ﷺ جب عید کے دن ملاقات کرتے تو آپس میں ایک دوسرے کو یوں کہتے ”تَقَبَّلَ
 اللَّهُ مِنَّا وَ مِنْكَ“ یعنی اللہ ہمارے اور تمہارے اعمال کو قبول کرے۔ (۳)
 امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ادھم جو حضرت امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز
 کے غلام تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کو عیدین کے
 موقع پر ”تَقَبَّلَ اللَّهُ مِنَّا وَ مِنْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ“ کہتے تھے اور آپ یہی
 جملہ ہم کو جواب میں کہتے اور اس پر نکیر نہ کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ عیدین کے موقع پر صحابہ اور ہمارے اسلاف آپس میں اس طرح

(۱) ابن ماجہ: ۱۲۸۴

(۲) بخاری: ۹۳۳، ترمذی: ۴۹۶، ابن ماجہ: ۱۲۹۱، احمد: ۸۱۰۰

(۳) فتح الباری: ۲/۴۲۶، یہ روایت حسن ہے۔

ایک دوسرے کو دعا دیتے تھے، لہذا ہمیں بھی اسی کو اختیار کرنا چاہئے یہی بڑی مبارک بادی ہے، اور کوئی عید مبارک کہتا ہے تو اس کا بھی حاصل یہی ہے؛ لیکن اسلاف کے الفاظ میں بھی برکت ہوتی ہے۔

صدقہ فطر

رمضان جب ختم ہوتا ہے اور عید کا دن آتا ہے، تو رمضان کے شکر یہ میں عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر بھی ادا کرنا ضروری ہے۔ پہلے چند حدیثیں ملاحظہ کیجئے:

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

”فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكْرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ“ (۱)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کو مسلمانوں میں سے ہر غلام و آزاد، مرد و عورت، بچے اور بوڑھے پر صدقہ فطر میں دینا فرض قرار دیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ لوگوں کے عید کی نماز کو نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تین قسم کی چیزوں سے صدقہ فطر ہر چھوٹے اور بڑے، آزاد و غلام کی

(۱) بخاری: ۱/۲۰۴، رقم: ۱۴۳۲، مسلم: ۱/۳۱۷، رقم: ۹۸۴، ۹۸۶، ابو داؤد: ۵/۶۱۱، نسائی:

۲۵۰۴، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۸۷ وغیرہ

طرف سے نکالتے تھے، ایک صاع کھجور، ایک صاع پنیر اور ایک صاع جو، ہم اسی طرح نکالتے تھے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گیہوں کا آدھا صاع کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں پہلے جیسا نکالتا تھا ویسا ہی نکالوں گا۔ (۱)

فوائد و مسائل

(۱) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر کے ہر چھوٹے بڑے، غلام و آزاد پر صدقہ فطر ہے، البتہ نابالغ اولاد کی طرف سے خود ان کے مال سے یا اپنے مال سے جب کہ ان کا مال نہ ہو، باپ ادا کرے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کھجور یا جو کے حساب سے ایک صاع صدقہ فطر میں دینا چاہیے اور دوسری حدیث سے بھی اس کا علم ہوا۔

اور دوسری حدیث سے مزید یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عام طور پر صرف تین چیزوں سے صدقہ فطر نکالا جاتا تھا، کھجور، پنیر اور جو، مگر بعد میں جب گیہوں کا عام رواج ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھجور کے ایک صاع کا مقابلہ گیہوں کے آدھے صاع سے ہو جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ گیہوں مہنگی ہے، لہذا اکثر صحابہ و تابعین نے اسی کو اختیار فرمایا، البتہ بعض صحابہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا، اور فرمایا کہ نہیں ہم گیہوں سے بھی ایک ہی صاع دیں گے، لہذا یہ اختلافی مسئلہ ہے، احناف نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل اختیار فرمایا ہے، لہذا گیہوں نصف صاع یا اس کی قیمت صدقہ فطر میں دینا چاہئے۔

(۱) بخاری: ۱۴۱۲، مسلم: ۱۶۴۱، نسائی: ۲۴۶۵، ابوداؤد: ۱۳۷۷، ترمذی: ۶۰۹، ابن

اب رہی یہ بات کہ نصف صاع آج کے حساب سے کتنے کلو ہوتے ہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ”اوزان شرعیہ“ میں اس کی تحقیق کر کے بتایا ہے کہ نصف صاع پونے دو سیر کے برابر ہوتا ہے اور اس کو اگر کلو، گرام کے حساب میں تبدیل کریں تو پونے دو کلو سے کچھ کم ہوتے ہیں، اور احتیاطاً پونے دو کلو دے دینا چاہئے، جیسا کہ میرے استاذ حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب زید مجدہ نے اپنے رسالہ ”امداد اوزان“ میں تحقیق فرمائی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض چارٹ میں صدقہ فطر کی مقدار سو ادو کلو یا ڈھائی کلو لکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے، البتہ کوئی اپنی خوشی سے زیادہ دے دے، تو درست ہے؛ مگر وجوب صرف پونے دو کلو کا ہوگا۔

(۲) نیز اس پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر نماز عید کو جانے سے پہلے ادا کرنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کیا تو وہ صدقہ مقبولہ ہے، اور جو بعد نماز ادا کرے، تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔ (۱)

لہذا عید گاہ جانے قبل صدقہ دینا چاہئے، اگر کسی نے عید گاہ جانے سے قبل ادا نہ کیا تو اس سے یہ معاف نہ ہوگا؛ بل کہ بعد میں دینا پڑے گا۔ (۲)

اگر صدقہ فطر عید سے دو تین دن پہلے ہی دے دیں تو اور اچھا ہے، کیوں کہ اس میں مساکین و فقرا کے لیے سہولت ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا پہلے سے انتظام کر سکیں گے، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ ایک دو دن پہلے صدقہ فطر ادا کر دیتے تھے۔

(۱) ابو داؤد: ۵، ۱۳۷۱، ابن ماجہ: ۱۸۱۷

(۲) ہدایہ: ۱/۱۹۱

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نافع سے نقل کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں صدقہ فطر ایک دو دن پہلے دے دیا جاتا تھا۔ (۱)

فتح الباری میں ہے کہ ابن خزیمہ کی روایت میں آیا ہے کہ ایوب رضی اللہ عنہ نے نافع سے پوچھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صدقہ فطر کب تک ادا کرتے تھے، نافع نے فرمایا کہ جب صدقہ وصول کرنے والا عامل وصولی بند کرتا اس وقت تک ادا کر دیتے، پوچھا کہ عامل کب بند کرتا تھا، بتایا کہ عید سے ایک یا دو دن پہلے۔ (۲)

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موطا میں یہ روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وصول کرنے والوں کے پاس صدقہ فطر عید سے دو تین دن قبل بھیج دیتے تھے۔ (۳)

(۳) صدقہ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو آزاد ہو اور حاجت اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک ہو اور نصاب وہی ہے جو زکاۃ کا ہے یعنی ساڑھے سات تولے (یعنی ۸۷ گرام، ۴۷۹ ملی گرام) سونا یا ساڑھے باون تولے (یعنی ۶۱۲ گرام، ۳۵ ملی گرام) چاندی ہو یا اس کے برابر روپیہ پیسہ ہو، یا زائد از ضرورت مال سامان ہو، تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے، اگرچہ اس پر ایک سال نہ گزرا ہو، اور اگرچہ وہ مال تجارت کا بھی نہ ہو۔ (۴)

(۴) اگر کسی کے پاس زکاۃ کے مال کے برابر مال و اسباب ہے؛ لیکن وہ اس کی ضرورت کا ہے، زائد نہیں، تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ (۵)

(۱) بخاری: ۲۰۵/۱

(۲) فتح الباری: ۳/۳۷۶

(۳) فتح الباری: ۳/۳۷۶

(۴) البحر الرائق: ۲/۲۷۱، درمختار مع شامی: ۲/۲۶۰

(۵) البحر الرائق: ۲/۲۷۱، درمختار مع شامی: ۲/۲۶۰

(۵) اگر کوئی قرض دار ہے تو قرض کے علاوہ جو مال ہے وہ اگر زکاۃ کے مال کے برابر ہے، تو صدقہ فطر واجب ہے، ورنہ نہیں۔ (۱)

(۶) بہتر ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ دے دے، اگر پہلے نہ دیا تو بعد میں دے دے، یہ معاف نہیں، کبھی نہ کبھی اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

(۷) صدقہ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے دینا واجب ہے، بالغ اولاد کی طرف سے دینا واجب نہیں؛ بل کہ وہ خود اگر مال دار ہیں تو اس پر واجب ہے، البتہ بالغ اولاد میں کوئی پاگل ہو تو باپ اس کا بھی صدقہ فطر نکالے گا۔ (۲)

(۸) کسی نے رمضان میں صدقہ فطر دے دیا تو بھی ادا ہو گیا، دوبارہ دینا واجب نہیں۔ (۳)

(۹) جو رمضان کے روزے نہ رکھ سکا، اس پر بھی یہ صدقہ فطر واجب ہے۔ (۴)

(۱۰) صدقہ فطر میں پونے دو سیر گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا ستویا ستوکا آٹا دینا چاہئے، یا اتنی قیمت دینا چاہئے؛ بل کہ یہی بہتر ہے، (اس کی تحقیق اوپر گزر چکی ہے)

(۱۱) صدقہ فطر ان لوگوں کو دینا چاہئے جن کو زکاۃ دینا درست ہے، یعنی فقیر، مسکین، مسافر وغیرہ، اور جو سید ہوں یا مال دار ہوں ان کو جس طرح زکاۃ دینا جائز نہیں اسی طرح ان کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں، اسی طرح ماں باپ کو، اولاد کو میاں بیوی کو، دینا بھی جائز نہیں، ہاں! کافر کو صدقہ فطر دینا بعض کے نزدیک جائز ہے، اور بعض

(۱) البحر الرائق: ۲/۲۷۱، درمختار مع شامی: ۲/۲۶۰

(۲) البحر الرائق: ۲/۲۷۱، درمختار مع شامی: ۲/۲۶۱

(۳) البحر الرائق: ۲/۲۷۵

(۴) درمختار مع شامی: ۲/۳۶۱

کے نزدیک ناجائز ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ان کو نہ دیا جائے۔ (۱)
 (۱۲) ایک آدمی کا صدقہ فطریہ فقیر کو دینا یا تھوڑا تھوڑا کئی فقیروں کو دینا یا کئی
 آدمیوں کا صدقہ فطریہ ہی فقیر کو دینا سب درست ہے؛ لیکن کئی آدمیوں کا صدقہ
 مل کر اتنا نہ ہو جائے جو نصاب فطریہ یا نصاب زکاة کے برابر ہو۔ (۲)

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

(۱) درمختار مع شامی: ۳۶۹/۲

(۲) البحر الرائق: ۲/۲۷۵

This document was created with Win2PDF available at <http://www.win2pdf.com>.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.